یسُوع کی عملی تعلیم

پادری ڈبلیو۔ ایم رائبرن ایم۔ اے۔

The Practical Teaching of
Jesus
by
Rev. W.M.Ryburn
translated by
Mr Abdul Majid.

نیشنل کرسچن کونسل کی لٹریچر کمیٹی کی
امداد سے
مشعل پریس کھرڑ میں باہتمام پادری ڈبلیو۔ ایم رائبرن
پرنٹر و پبلشر چھپ کر کھرڑ ضلع انبالہ سے شائع ہوئی

THE
Practical Teaching of Jesus.

ڈبلیو۔ ایم۔ رائبرن صاحب ایم۔ اے کھرڑ

عبدالمجید خاں بی۔ اے۔ منشی فاضل کھرڑ

سنہ ۱۹۴۰ء

طبع اول   تعداد ۱۰۰۰   قیمت ۳ر

فہرستِ مضامین

نمبر		مضمون	صفحہ
۱	پہلا باب	اگر تم بچّوں کی مانند نہ بنو۔	۳
۲	دوسرا باب	خدا اور دولت۔	۱۴
۳	تیسرا باب	یسوع پرکھتا ہے۔	۲۶
۴	چوتھا باب	صلیب کی راہ	۳۶
۵	پانچواں باب	ہل چلانے کو کھیت	۴۵
۶	چھٹا باب	شاگردی	۵۵
۷	ساتواں باب	جُرأت یا دلیری	۶۵
۸	آٹھواں باب	بازرکھنے والے جامے	۷۵

پہلا باب

"اگر تم بچّوں کی مانند نہ بنو"

متی ۱۸ : ۱-۶
مرقس ۹ : ۳۳-۳۷
" ۱۰ : ۱۳-۱۶
۱ کرن ۱۴ : ۲۰

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اگر تم نہ پھرو اور بچّوں کی مانند نہ بنو تو آسمان کی بادشاہی میں ہرگز داخل نہ ہو گے۔"

"جو کوئی آسمان کی بادشاہی کو بچّے کی طرح قبول نہ کرے۔ وہ اس میں ہرگز داخل نہ ہو گا۔"

یہ یسوع کے تعجب خیز اقوال ہیں یا کم از کم وہ تعجب خیز دکھائی دیتے ہیں۔ بالعموم ہم یہ خیال نہیں کرتے کہ ہم دوبارہ بچپن میں داخل ہو جائیں۔ ہم یہ خیال بھی نہیں کرتے کہ ایک بچّہ ہم سے بہتر حیثیت رکھتا ہے۔ ہم یونہی ترقی نہیں کرتے۔ کیا یہ اچھا نہیں کہ ہم طفولیت کو پیچھے چھوڑیں جوں جوں ہم بڑھتے ہیں۔ علم و دانش میں ترقی کرتے ہیں اور جوں جوں ہماری عمر گذرتی جاتی ہے۔ ہم زیادہ تجربہ حاصل کرتے اور پختہ کار ہوتے جاتے ہیں ہم بچّوں کی نسبت زیادہ دانشور۔ طاقتور اور قابل ہیں۔ تو یسوع کے اس

قول کا کیا مطلب ہے کہ اگر ہم آسمان کی بادشاہی میں داخل ہونا چاہیں تو ہمیں بچوں کی مانند بننا پڑیگا۔ اس سے ہماری خودداری کو چوٹ لگتی ہے اور ہمارے اعتقادات اور خیالات کو صدمہ پہنچتا ہے۔ ہمیں کب یہ خیال گوارا ہے کہ بچے ہماری نسبت خدا کے زیادہ قریب ہیں اور فی الحقیقت ہم اس کے معتقد ہی نہیں۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک بچہ جسے بہت کچھ سیکھنا ہے جو اس قدر نادان اور ناآزمودہ کار ہے۔ ہم سے بڑھکر خدا کے قریب ہو اور ہم یسوع کی اس تعلیم کو ان اشیا میں شمار کرتے ہیں جن کی طرف ہماری توجہ مبذول نہیں ہوتی۔ یسوع مبالغہ کر رہا تھا۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ ہمارے معیار یسوع کے معیاروں سے مختلف ہیں جن باتوں کو ہم اوّل درجے کی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کی نظر میں وہ زیادہ قدر و قیمت نہیں رکھتیں۔ جن باتوں کو ہم بے قدر سمجھتے ہیں۔ اُن کی نظروں میں انہیں اعلےٰ درجہ حاصل ہے۔ جو باتیں ہماری نظروں میں اعلےٰ درجہ کی ہیں۔ خداوند نے ان کو بالکل نظرانداز کر دیا۔ ان کا قدر و منزلت کا معیار اس معیار سے بالکل مختلف ہے جس کے مطابق ہماری زندگی بسر ہو رہی ہے۔

مثلاً ہم اکثر خیال کیا کرتے ہیں کہ درجہ یا حیثیت زندگی میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اور ایک انسان کی زندگی کی ترقی کا اندازہ اس درجہ یا حیثیت سے ہو سکتا ہے جو اس نے اپنے عرصہ حیات میں حاصل کر لی۔ ہم اس عزت کے حصول کو بہت ہی اہمیت دیتے ہیں جس کا مطالبہ ہمارا درجہ یا حیثیت کرتی ہے اگر ہمیں وہ توجہ یا حق نہیں ملتا جو ہماری حیثیت تقاضا کرتی ہے تو ہم اپنی توہین سمجھتے ہیں لیکن یسوع نے ان باتوں کی پروا نہ کی حصول درجہ یا اکتساب شہرت کے لئے دوڑ دھوپ کو یسوع نے زندگی میں قدر و قیمت کی اشیاء کے درمیان

بہت ادنےٰ درجہ دیا ہے حصولِ درجہ کے متعلق یسوع کا قول یہ ہے: "تم جانتے ہو جو غیر قوموں کے سردار سمجھے جاتے ہیں۔ وہ ان پر حکومت چلاتے ہیں اور ان کے امیران پر اختیار جتاتے ہیں۔ مگر تم میں ایسا نہیں بلکہ جو تم میں بڑا ہونا چاہے وہ تمہارا خادم بنے (مرقس ۱۰: ۴۲ و ۴۳)

ہم اپنے معیار پر روپیہ کو سب سے اونچا درجہ دیتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ روپیہ قاضی الحاجات ہے۔ اور ہماری زندگی اور ہمارے کام کے لئے ناگزیر۔ ہمارے دل میں یہ خیال جاگزین ہو جاتا ہے کہ روپیہ کے بغیر بادشاہی کا کام نہیں چل سکتا۔ ہم سمجھتے ہیں روپیہ دنیا میں بڑی طاقت ہے اور ترقی کے لئے لازم ہے۔ لیکن یسوع روپیہ سے متنفر اور اس کی احتیاج سے بے نیاز ہے۔ بے شک وہ قائل تھا کہ روپیہ کارآمد ہے مگر وہ حامی نہ تھا کہ روپیہ لازمی و لابدی ہے۔ فی الواقع وہ اسے ایک خطرناک شے خیال کرتا تھا اور اسے بادشاہت کا دوست نہیں دشمن سمجھتا تھا۔ لیکن بالعموم یہ ہمارا نظریہ نہیں۔

ہم تنظیم پر بہت زور دیا کرتے ہیں۔ جو کچھ بھی ہم کرتے ہیں اس میں تنظیم و ترتیب کو مستحسن سمجھتے ہیں لیکن یسوع خارجی تنظیم کی بجائے باطنی ذہنیت کا زیادہ خیال کرتے تھے۔ اور تنظیم کی سر دردی مول نہ لیتے تھے۔ وہ زیادہ زور ایک فرد کی ذہنیت یا رُوح پر دیتے تھے اور اس نظریہ پر جو وہ ابدی باتوں کے متعلق رکھتا ہے۔

ہم علم پر بہت لٹو ہیں۔ مگر یسوع گو علم کی تحقیر نہ کرتا تھا لیکن وہ معیار قدر و منزلت میں اور باتوں کو اونچا رکھتا تھا۔ حلم یعنی فروتنی۔ رحم۔ اور دوستداری کو اس کے ہاں علم پر ترجیح ہے۔

یسوع نے یہ کہا کہ ہمیں بچوں کی مانند بننا پڑیگا۔ جب ہم اسے سمجھنے کی

کوشش کرتے ہیں تو ہم پر منکشف ہوتا ہے کہ جو بات وہ ہمارے سامنے رکھتا ہے۔ وہ دراصل یہ ہے کہ ہمیں اپنے معیاروں کو بالکل بدل دینا پڑیگا چھوٹے بچے کی بعض خصوصیات یسوع کی نظر میں نہایت ہی گراں قدر ہیں۔ چنانچہ اگر ہم خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا چاہیں۔ تو ہمیں ان خصائص کو قدر و منزلت کے پیمانے میں اعلےٰ درجہ دینا پڑے گا۔ یہ باتیں ان سے بالکل متضاد ہیں جو ہم پیش نظر رکھتے ہیں پس یسوع نے کہا کہ ان کا معیار قبول کرنے کے لئے ہمیں پھرنا پڑیگا۔ آیئے ہم دیکھیں چھوٹے بچے میں وہ کونسی صفات ہیں جن کو یسوع اتنا گراں قدر سمجھتا تھا۔

اول چھوٹے بچے کے دل میں جذبہ انتقام موجود نہیں۔ وہ کسی کے خلاف اپنے دل میں بُرے احساسات کو جگہ نہیں دیتا۔ وہ اپنے دل کو ان لوگوں کے خلاف جنہوں نے اسے آزردہ کیا نفرت کا گہوارہ نہیں بناتا۔ اور اُن سے بدلہ لینے کے درپے نہیں ہوتا۔ بچہ بے شک دوسروں سے ناراض ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کی ناراضگی سُرعت سے رفع ہو جاتی ہے۔ وہ فوراً دوبارہ دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے اور اس کا یہ فعل ہماری طرح سطحی نہیں ہوتا۔ اس کی تہ میں بغض اور کینہ توزی کے احساسات نہاں نہیں ہوتے۔ وہ فوراً معاف کرتا ہے اور معاف کر کے بھول جاتا ہے۔ اسے غصہ بہت جلد آتا ہے مگر آنے سے پہلے فرو ہو جاتا ہے اور کوئی بُرا احساس باقی نہیں رہتا۔ ہم جانتے ہیں کہ پولوس فرماتے ہیں ہم غصہ میں بچوں کی مانند ہوں۔ مگر دانائی میں مردوں کی مشابہ ہوں یہ ہے وجہ کہ اگر ہمیں خدا کی بادشاہت میں داخل ہونا ہے تو بچوں کی مانند ہونا پڑے گا۔

کیا چھوٹے بچے کا یہ رویہ ہمارے لئے باعث طنز نہیں۔ کیا اس میں

ہمارے لئے ایک نہایت ہی کٹھن سبق نہیں؟ کیا ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ ہم کینہ میں بچے ہیں۔ کیا ہم معاف کرتے اور بھول جاتے ہیں یا اپنے دل میں ان لوگوں کے خلاف جن سے ہمیں دُکھ پہنچا ہے۔ بغض و کدورت کو جگہ دیتے ہیں؟ کیا ہم جھگڑے اور تنازع کے بعد فوراً دوبارہ دوست بننے کو تیار ہیں؟ کیا ہمارے لئے بچہ کی طرح ایسی فضا میں زندگی گذارنا ممکن ہے جہاں دوستی کا فقدان ہو؟ کیا یہ تلخ صداقت نہیں کہ ہم بھولتے نہیں۔ جن لوگوں سے ہمیں ضرر پہنچا ہے۔ ہم ان کے خلاف ضرور بُرے جذبات کو دل میں رکھتے ہیں۔ ہم ایسی فضا میں رہنا گوارا نہیں کرتے۔ جہاں دوستی کا نام نہ ہو۔ معذرت کرنا ہمارے لئے مشکل ہے اور جھگڑے چکانا ہم جانتے ہی نہیں۔ اگر ہم ان باتوں کو تسلیم کرتے ہیں تو ہم پر کھل جائیگا۔ کہ ایک چھوٹا بچہ ہماری نسبت کیونکر خدا کے قریب تر ہے۔ اور کہ یسوع نے کیوں کہا ہمیں چھوٹے بچے کی مانند بننا پڑیگا۔ کینہ پروری اور معاف کرنے کی ذہنیت کے فقدان کے خلاف یسوع نے پُرزور الفاظ میں تلقین کی ہے۔ امر کہ ہم ان باتوں کو معمولی سمجھتے ہیں اور اپنی کمی کا احساس نہیں رکھتے اور یہ باتیں ہم پر غالب آجاتی ہیں۔ یہ حقیقت ہم پر آشکارا کرتا ہے کہ ہمیں پھرنا پڑیگا۔

ہمیں اپنی شخصی زندگیوں میں بلاشبہ بہت سے ایسے موقعے ملیں گے۔ جب ہم آزمایش کا شکار ہو کر کینہ پروری کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ اور جب ہمیں چھوٹے بچے سے سبق لینا پڑتا ہے۔ لیکن اس زمانے میں ہمیں ضرورت ہے کہ ہم مسیح کے پیرو ہونے کی حیثیت سے اس رویہ پر خاص توجہ مبذول کریں۔ جو ہم اپنے دشمن کے ساتھ اختیار کرتے ہیں۔ ایام جنگ میں جبکہ جذبات مشتعل ہوتے ہیں جبکہ ہمیں تصویر کا ایک ہی پہلو دکھائی دیتا ہے۔ جب ہمیں حقیقت حال معلوم نہیں ہو سکتی تو اُس وقت یہ بات اغلب ہے کہ ہم نفرت کے جذبات

کی رَو میں بہ جائیں۔ اور کینہ توزی کے جذبات ہم پر مسلط ہو جائیں۔ مسیحی کلیسیا اور ہر فرد مسیحی کا یہ فرض ہے۔ کہ ایام جنگ میں امن کے قیام کی تیاری کرے۔ اس سے بڑھکر تیاری اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ہم اپنے دل میں ایسے جذبات پیدا نہ ہونے دیں جس سے اختتام جنگ پر ہمارا امن قائم کرنے کا مقصد یہ ہو کہ ہمارے کینے کی آگ بجھے) جنگ کا نتیجہ خواہ کچھ ہی ہو۔ مگر دل میں اُن لوگوں کے خلاف کوئی بغض یا نفرت نہ ہو جن کے ساتھ ہم نبرد آزما ہیں۔ اسی طرح ہم بچوں کی مانند بن سکتے ہیں اور خدا کی بادشاہی میں داخل ہونے کے سزاوار ہو سکتے ہیں۔

دوم چھوٹے بچے کے دل میں تعصب نہیں ہوتا۔ وہ لوگوں کو اسی نظر سے دیکھتا ہے جیسا کہ وہ ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق اس کے دل میں پہلے ہی سے کوئی خیال موجود نہیں ہوتا۔ بچہ واقفیت بین ہوتا ہے۔ ہم جو بڑے بوڑھے ہوتے ہیں۔ ہمارے دل میں لوگوں کے خلاف اُن کے مذہب ان کی سیاسی پارٹی ان کے رنگ۔ اُن کی قوم۔ ان کے سماجی طبقے اور ان کی حیثیت کی بنا پر بدظنیاں ہوتی ہیں۔ ایک چھوٹے بچے کے دل میں ان میں سے کوئی بھی بات نہیں ہوتی۔ اسے رنگ کا بالکل خیال نہیں ہوتا وہ دوسری نسل اور دوسرے رنگ کے لوگوں کے ساتھ وہی دوستانہ سلوک روا رکھتا ہے۔ جو اپنی قوم اور اپنے رنگ کے لوگوں کے ساتھ۔ وہ انسان کے رتبہ اور اس کی سماجی حیثیت میں تمیز نہیں کرتا وہ پروا نہیں کرتا کہ اس کے ہمجولی کون ہیں۔ اُن کے ساتھ اس کا سلوک انسانوں کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ وہ ان کی قدر کرتا ہے۔ سیاسی اور مذہبی تفریق اس کے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ چھوٹے بچے اکٹھے کھیلتے اور اکٹھے کام کرتے ہیں۔ خواہ وہ ہندو ہوں۔ یا مسلمان۔ عیسائی ہوں یا سکھ یا اچھوت

اُن کے لئے کانگریس یا مسلم دونوں برابر ہیں۔ چھوٹے بچے کے دل میں ایسا کوئی تعصب قطعاً نہیں ہوتا۔

کیا یہاں بھی ہمارے لئے ایک گرانقدر سبق نہیں ہے۔ کیا ہم کہ سکتے ہیں کہ ہمارے دل میں کوئی تعصب نہیں۔ کیا ہم انواع و اقسام کی جماعت بندیوں میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے؟ کیا یہ صحیح نہیں کہ جوں جوں بچہ بڑھتا جاتا ہے۔ یہ سب امتیازات ہم سے یا اپنے بڑوں سے سیکھتا جاتا ہے لیکن یسوع کی تعلیم میں ہمیں ان باتوں کے لئے کوئی سند نہیں ملتی۔ یسوع میں وہ وسیع رواداری پائی جاتی تھی جیسی کہ چھوٹے بچے میں ہوتی ہے یسوع نے کبھی کوئی امتیاز نہیں کیا۔ کہ ایک آدمی اس کی اپنی قوم کا اچھوت تھا یا اس قوم کے مذہبی پیشواؤں کی جماعت میں سے تھا۔ دولتمندوں میں سے یا ناداروں میں سے۔ قوم پرستوں میں سے یا رومی فاتحوں میں سے۔ وہ سب سے یکساں سلوک کرتا ہے اور دوست بناتا ہے پس یہاں ہمیں ایک وجہ دکھائی دیتی ہے کہ یسوع کیوں کہتا ہے ہمیں چھوٹے بچوں کی مانند بننا چاہئے۔ تعصبات جو ہمارے دل میں ہیں رنگ بو کا امتیاز۔ فرقہ بندی۔ مذہبی بے دردی۔ قومی تعصب۔ خدا کی بادشاہی میں قائم نہیں رہ سکتے۔ جب تک ہم نہ پھریں۔ اور ان باتوں کو نہ بھول جائیں ہم خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتے۔

سوم ایک چھوٹا بچہ فروتن ہوتا ہے۔ وہ ہر وقت اپنے رتبہ کا ہی خیال نہیں رکھتا۔ نہ اسے ان واجبات کی فکر لگی رہتی ہے۔ جو اس کے رتبہ کی رعایت سے اس کا حق ہیں۔ اسے حقوق اور رعایات کا پتہ ہی نہیں ہوتا۔ اس میں کمتری اور برتری کا احساس نہیں ہوتا۔ اسے حکم چلانے کی خواہش نہیں ہوتی۔ جوں جوں وہ بڑھتا ہے۔ یہ سب باتیں بھی سیکھتا جاتا ہے۔ لیکن جب وہ چھوٹا

ہوتا ہے۔ وہ فروتن ہوتا ہے۔ اس کی فروتنی ہی یسوع کے لئے پُرکشش تھی۔ ایک گناہ جسے یسوع سب سے زیادہ خطرناک سمجھتا تھا۔ وہ تھا غرور یعنی تکبر یہی گناہ تھا جس نے اس کے ہمعصر مذہبی رہنماؤں کو بیکار کر دیا تھا۔ یہی گناہ ہمیں آج بے کار کئے دیتا ہے۔ ہم نے ابھی تک وہ سبق نہیں سیکھا جس کو مسیح نے اپنے شاگردوں کو سکھانے کی اس قدر کوشش کی کہ رتبہ کوئی شے نہیں۔ اور اس کی خواہش ہمیں خدا کی بادشاہت میں داخل ہونے سے باز رکھیگی۔

بچے کی فروتنی ایک اور وجہ ہے۔ کہ ہمیں کیوں بچوں کی مانند بننا چاہئے۔ اگر ہم میں یہ فروتنی پیدا ہو جائے تو ہم ان اہانتوں کا خیال بھی نہ کریں گے۔ جن کے ہاتھوں ہم بے زار ہیں۔ خواہ وہ دوسروں کی طرف سے عمداً ہوں یا نادانستہ ہمیں اپنی عزت کا درد سر نہ ہوگا۔ ہمیں اس بات کو قائم رکھنے کی فکر نہ ہوگی۔ جسے ہم اپنی حیثیت سمجھتے ہیں یا اپنا رتبہ خیال کرتے ہیں۔ ہم کو کمتری یا برتری کے احساس کا سوانگ نہ کرے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہماری زندگیاں زیادہ پرراحت ہو جائینگی۔ نیز اب کی نسبت زیادہ مفید بن جائینگی۔ ہماری زندگیوں کی بیشتر مشکلات اور تکالیف کا باعث غرور اور اس کے عواقب ہیں۔ جب تک ہماری زندگیوں میں تکبر و غرور کو دخل ہے۔ ہمیں ضرورت ہے کہ یسوع کے معیار قدر و منزلت کو قبول کریں۔ اور چھوٹے بچوں کی مانند بن جائیں۔

چھوٹا بچہ اس بات میں بھی فروتن ہے۔ کہ اسے سکھایا جاسکتا ہے۔ وہ ہمہ دانی کی ڈینگ نہیں مارتا۔ وہ جانتا ہے کہ وہ نہیں جانتا۔ اس کے برعکس اسے استفسار کی عادت ہوتی ہے۔ اسے ہر وقت دریافت کرنے کی دُھن لگی رہتی ہے۔ اس میں فروتنی اپنی لاعلمی کے احساس کا نتیجہ ہوتی ہے۔ پس وہ سیکھتا ہے۔

لیکن جب ہم بڑے ہو جاتے ہیں۔ تو ہم اکثر اپنی زندگیوں سے نیم حکیم خطرۂ جان اور نیم ملاں خطرہ ایمان کا ثبوت پیش کرتے رہتے ہیں۔ ہم میں اپنی ذکاوت اور اپنی علمیت کا غرور پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اکثر یہ غرور ہم کو سیکھنے سے باز رکھتا ہے یہ بات دینی اور دنیوی دونوں مضامین پر صادق آتی ہے۔ ہم گمان کرتے ہیں۔ کہ ہم سب کچھ جانتے ہیں۔ ہمیں کوئی پڑھا ہی نہیں سکتا۔ ہماری استفسار کی وہ صفت مفقود ہو جاتی ہے۔ جو بچوں میں ہوتی ہے۔ ہم اپنے دل و دماغ کو مقفل کر کے بند پڑے رہتے ہیں۔ ایسا دل و دماغ تکبر کا نتیجہ ہے۔ دنیا میں ایک بھی تو انسان ایسا نہیں۔ جسے اور کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں۔ جو اپنے علم کے ذخیرہ میں اضافہ نہیں کر سکتا۔ جو زیادہ علم رکھتے ہیں۔ انہیں ہی اپنی کم پچھرانی کا زیادہ احساس بھی ہے۔ لیکن ہم اکثر یہ خیال کیا کرتے ہیں کہ ایک مضمون کے متعلق ہماری رائے ہی سند ہے۔ اور ہمارے لئے سیکھنے کے لئے اور کچھ باقی نہیں رہا۔ مذہب کے سلسلہ میں تو یہ بات بالخصوص صادق آتی ہے۔ ہم اپنی خداداد قابلیت میں اس قدر کھوئے جاتے ہیں کہ ہم میں یہ استعداد ہی نہیں رہتی کہ ہم محسوس کریں کہ خدا کے علمی خزانے ایسے بھرپور ہیں اور وہ ہمیں اور بہت کچھ دے گا۔ بشرطیکہ ہم حلیم اور فروتن ہوں اور اپنے دل و دماغ کھولے رکھیں۔ لیکن بچہ کا دل و دماغ بند نہیں ہوتا۔ یہاں پھر ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یسوع نے کیوں زور دیا کہ ہم چھوٹے بچے کی مانند بنیں۔ اگر ہم ویسے بن جائیں۔ تو ہم اپنے دلوں کو کھلے رکھیں گے۔ ہم سیکھنے کے قابل بن جائیں گے۔ ہم ہر جگہ اور ہر کسی سے سیکھنے کے لئے تیار ہونگے۔ اور خدا اپنی بادشاہی کے جلال کی خاطر ہمیں کچھ بنا سکیگا۔

چہارم چھوٹا بچہ سادہ لوح ہوتا ہے اور راست گو۔ وہ چالاکی سے کام

نہیں لیتا۔ دوسروں سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہتا۔ اگر اسے کسی شے کی ضرورت ہوتی ہے تو وہ کہہ دیتا ہے۔ جو کچھ وہ سوچتا ہے۔ براہ راست اس کا اظہار کر دیتا ہے۔ اکثر اس کی صاف گوئی ہم بڑوں کو مشکل میں پھنسا دیتی ہے۔ وہ سازش نہیں کرتا۔ وہ اپنی مقصد براری کے آزار دہ طریقے نہیں جانتا۔ یہ راستی، صاف گوئی اور یہ سادگی بچوں کی اور صفات ہیں۔ جو یسوع مسیح کے پیروؤں کا طرۂ امتیاز ہونی چاہئیں۔ یہ وہ خصوصیات ہیں۔ جو ہمیں بار بار اُن مردوں اور عورتوں میں دکھائی دیتی ہیں جنہیں ہم "مردِ خدا" کہتے ہیں۔ یہ سی۔ ایف اینڈ روز صاحب کی نمایاں ترین صفات تھیں۔ لیکن ہم میں سے اکثر اس دنیا میں رہتے ہوئے یہ محسوس کرتے ہیں کہ ہمیں دنیا کے طریقے اختیار کرنے چاہئیں۔ ہم چالاکی کا چالاکی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ ہم اُن لوگوں سے زیادہ ہوشیاری استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ جو ہمارے خلاف کام کرتے ہیں۔ ہم کلیسیا میں سازش کو لا داخل کرتے ہیں۔ جو کچھ ہم سوچتے اور چاہتے ہیں۔ ہم اسے صاف لفظوں میں بیان نہیں کرتے۔ ہم اپنے مقاصد کے حصول کے لئے لاگ لپیٹ کرتے ہیں۔ ہم میں بچّہ کی سی سادگی اور راست گوئی کا شمہ بھی نہیں۔ اور ہم یہ احساس نہیں رکھتے۔ کہ یسوع چاہتا تھا کہ ہم پھریں تاکہ ہمیں بچّہ کی سی سادگی دوبارہ حاصل ہو جائے۔

بچّہ میں ایک جوش اور ایک لگن ہوتی ہے۔ اور ہم اکثر اس سے محروم رہتے ہیں۔ جب بچّہ کوئی کام شروع کرتا ہے تو جی لگا کر کرتا ہے۔ وہ اس وقت ہر دوسری بات کو بھول جاتا ہے۔ اور اس کی تمام توجہ اس کام میں مرکوز ہو جاتی ہے۔ جو وہ کر رہا ہے۔ گو اس کی توجہ دیر تک قائم نہ رہ سکے۔

لیکن جب وہ کوئی ایک کام کر رہا ہوتا ہے۔ یا کوئی کھیل کھیل رہا ہوتا ہے۔ تو وہ پورے انہماک سے کرتا یا کھیلتا ہے۔ وہ رسمیات سے خائف نہیں ہوتا اسے ہر وقت یہ خیال نہیں ہوتا کہ "لوگ کیا کہیں گے"۔ اسے شکوک اور سوالات توڑ توڑ کر نہیں کھاتے۔ وہ دو آقاؤں کی خدمت نہیں کرتا۔ وہ اپنی قوتیں اس کام کے لئے صرف کرتا ہے جو بالکل اس کے سامنے ہوتا ہے۔ وہ آزاد اور جوشیلا ہوتا ہے۔

یہی جوش ہے۔ جس کا مطالبہ مسیح اپنے شاگردوں سے کرتا ہے۔ اور چھوٹے بچے کے پُر جوش ہونے کا ملکہ ہی وہ خصوصیت ہے۔ جس کے لئے مسیح ہمیں کہتا ہے کہ ہم کو چھوٹے بچوں کی مانند بننا چاہئے۔ جب ہم بڑے ہوتے ہیں۔ بہت سی باتیں ہمارے جوش کو ٹھنڈا کر دیتی ہیں۔ شک ہم کو توڑ توڑ کر کھاتا ہے۔ تشویش ہمیں گھن کی طرح کھائے جاتی ہے۔ ہم ڈرتے رہتے ہیں کہ "دوسرے لوگ کیا کہتے ہیں"۔ ہم حیران ہوتے ہیں کہ نہ جانے کیا ہو گا۔ ہم خدا کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ اور اپنی ذات کی بھی۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم   نہ ادھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

ہم میں اس ایمان کا فقدان ہے۔ جس سے ہم میں یہ جانتے ہُوئے کہ جو کچھ واقع ہو گا اس میں ہماری بہبود ہو گی۔ خدا پر توکل کرنے کی جرات پیدا ہو جائے۔ پس اگر ہم خدا کی بادشاہی میں داخل ہونا چاہیں۔ تو ہم میں بچہ کا سا جوش اور انہماک ہونا چاہئے۔ ہم میں خدا پر ایسا ایمان ہونا چاہئے۔ جیسا بچوں کو اپنے والدین پر ہوتا ہے۔ وہ ایمان جس سے شکوک اور استفسار کی گھٹائیں کافور ہو جاتی ہیں۔ اور جس سے خدا کی بادشاہی کی زندگی بسر کرنے کی جُرات پیدا ہوتی ہے۔ لیکن یہ جُرات ہم میں اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتی۔

جب تک ہم نہ پھریں اور بچوں کی مانند نہ بنیں۔

بحث اور غور و خوض کے لئے سوالات

۱۔ کیا بچہ کی سی سادگی اور صاف گوئی بالغ آدمی کی زندگی میں کام کر سکتی ہے۔ کیا ہمارے لئے لازم ہے کہ ہم چالاک اور کایاں ہوں۔

۲۔ بند دل و دماغ کے گناہ پر غور کرو۔ ہم اپنے دل و دماغ کو بند کیوں کر لیتے ہیں۔ اس کا کیا علاج ہے

۳۔ ہم میں تعصبات کیوں پیدا ہو جاتے ہیں۔ ہم اپنے بچوں کو کیونکر ان سے باز رکھ سکتے ہیں؟

دوسرا باب

خُدا اور دَولت

متی ۶ : ۱۹۔۳۴
مرقس ۹ : ۴۳۔۴۷
لوقا ۱۸ : ۱۸۔۳۰
لوقا ۱۲ : ۳۱۔۴۰

تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے :۔
جتنا زیادہ ہم یسُوع کی تعلیم اور اس کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اتنا ہی زیادہ ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ جو باتیں نفسیات کے علم سے

ہمیں آج معلوم ہو رہی ہیں۔ اور جنہیں ہم ایک نئی بات سمجھتے ہیں۔ وہ خداوند یسوع مسیح نے صدیوں پہلے سکھائیں۔ خداوند یسوع ایک عالی ماہر نفسیات تھا۔ اس نے تجربہ سے وہ باتیں پائیں جو دَور حاضرہ کے نفاسین ہمیں آج سکھا رہے ہیں۔ ان میں سے ایک اہم ترین اصول وہ ہے۔ جو خداوند نے اس پیرے میں بیان فرمایا۔ جو یہاں زیر غور ہے۔ اور وہ اصول یہ ہے کہ ایک شخص کی کامل ترقی کے لئے اور صادق زندگی بسر کرنے کے لئے یہ لازم ہے کہ اس کی زندگی میں ایک ایسا نصب العین ہو۔ جو اس کی تمام شخصیت پر غالب ہو۔ اگر کوئی شخص وقتاً فوقتاً مختلف یا متضاد نصب العین رکھے۔ تو ممکن نہیں کہ وہ پر اطمینان زندگی بسر کرے۔ اگر کوئی شخص بیک وقت صاحب وثوق سیاس (سیاستدان) اور ہمدرد خلق بننا چاہے تو کبھی زندگی میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ وہ ایک وقت ایک تمنا رکھے گا۔ اور دوسرے وقت کسی دوسری خواہش کا غلام ہوگا۔ ان دونوں کے درمیان ہی اس کی کشمکش جاری رہے گی اور اس کی زندگی اضداد کا گہوارہ ہوگی۔ اس قسم کی زندگی بسر کرنے کی کوشش کے باعث اس کی تمام شخصیت تباہ ہو جائے گی۔ کوئی شخص بیک وقت جنگجو اور پارسا یا بنیا اور سادھو نہیں ہو سکتا۔ ایک کا دوسرے کے کام کی ضد ہے۔ پس دونوں کام انجام دینے کی کوشش زندگی کو ایک طویل کشمکش بنا دیتی ہے۔ اور دونوں پہلوؤں سے بے اثر رہتی ہے پس خداوند نے فرمایا۔ ہم دو آقاؤں کی خدمت نہیں کر سکتے ہم زندگی میں دو متضاد نصب العین نہیں رکھ سکتے۔ اور یہ بات موجودہ علم نفسیات کے عین مطابق ہے۔

قوت زندگی کے ضائع ہونے اور اعصابی خلل واقع ہونے کی عام وجہ یہی دو آقاؤں کی خدمت انجام دینے کی کوشش ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ زندگی میں ایک کھینچا تانی شروع ہو جاتی ہے۔ دو متضاد کاموں کو انجام دینے کی کوشش سے ایک خلل پیدا ہوتا ہے۔ اگر ہم ایسی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں جس میں قوت ہو۔ جو با اثر ہو۔ تو ہمیں لازم ہے۔ کہ فقط ایک نصب العین کی پیروی کریں۔ جو شخص ایسا کرتا ہے۔ ہم اس کو اعلےٰ چال چلن کا مالک کہتے ہیں۔ یسوع کے قول کے مطابق ایسا آدمی وہ ہوتا ہے جو اپنا ہاتھ یا پاؤں کاٹنے۔ آنکھ نکال پھینکنے کے لئے تیار ہوتا ہے۔ مبادا ان کا وجود اُسے اس نصب العین تک پہنچنے اور اس نصب العین کے لئے ہمہ تن کوشش بن کر پُر وفا خدمت انجام دینے سے باز رکھے۔ جو اس نے اپنی زندگی میں مقرر کر رکھا ہے۔ یہ پُر اثر اور فصیح الفاظ میں یوں کہتا ہے۔ کہ ہمیں اس نصب العین کی پیروی کے لئے جو ہم نے اپنی زندگی میں بہترین تسلیم کیا ہے۔ ہر وہ بات ترک کرنی پڑے گی۔ جو ہمیں اس کے مطابق عمل کرنے سے باز رکھے۔ ہمیں ہر وہ بات ترک کرنے کے لئے تیار ہونا پڑے گا۔ جو اس نصب العین سے ٹکراتی ہو۔ ہماری نظر صرف اس ہی پر جمی رہے۔ ہمیں ایک وقت میں خدا اور دولت دونوں کی خدمت کرنے کا خیال ترک کر دینا چاہئے۔ ہر وہ بات جس سے زندگی کی پُرسکون یکتائی میں خلل واقع ہو رفع ہو جانی چاہئے۔ خواہ وُہ ہمیں کتنی ہی عزیز کیوں نہ ہو۔ کیونکہ یکسُوئی سے اس نصب العین کی پیروی کرنا جو ہم نے بہترین تسلیم کیا ہے۔ اس سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

بے شک یہ ممکن ہے۔ کہ ایک شخص اعلےٰ چال چلن کا مالک ہو۔ مگر

اس کا نصب العین غلط ہو۔ ہم پورے دل اور یکسوئی سے ایسے نصب العین کی پیروی کر سکتے ہیں۔ جو نا سزاوار ہو۔ مرد اور عورتیں جو دولت MAMMON کے پرستار ہیں۔ وہ اپنے دیوتا کی پرستش میں اس قدر انہماک رکھتے ہیں۔ کہ وہ اپنی زندگی میں ہر اس شے کو ترک کرنے کے لئے تیار ہیں جو اس پرستش میں مخل ہو۔ وہ ہمدردی۔ ترحم۔ احساس دوستی اور ترس کو اپنے دولت جمع کرنے کے کام میں دخل انداز نہیں ہونے دیتے۔ ممکن ہے۔ ان شخصوں کا چال چلن بہت اعلےٰ اور مستحکم ہو۔ مگر یہ چال چلن نیک نہیں کہلا سکتا۔ اگر ہم مستحکم اور نیک چال چلن پیدا کرنا چاہتے ہیں تو ہم کو لازم ہے کہ نہ صرف پورے دل سے اور وفاداری کے ساتھ اس نصب العین کی پیروی کریں۔ بلکہ ہمیں یہ بھی یقین ہونا چاہئے۔ کہ ہمارا یہ نصب العین بہترین اور اعلےٰ ترین ہے۔ اپنے ہاتھ یا پاؤں کاٹ ڈالنا اس وقت تک عقلمندی کا کام نہیں۔ جب تک وہ بات جس کے لئے ہم ایسا کرتے ہیں۔ قابل ستائش نہ ہو۔ اگر ہم اپنی زندگی میں اپنی ہی خاطر رتبہ یا قوت حاصل کرنے کے لئے قربانیاں کرتے ہیں۔ تو یہ قربانیاں خدا مقبول نہیں ٹھیراتا۔ دولت کے لئے قربانی کرنا ہمیں دولت کی پرستش میں مدد دیگا۔ لیکن اس سے ہمیں کثرت کی زندگی بسر کرنے میں کوئی مدد نہ ملے گی۔ صرف وہی قربانیاں ہمارے لئے معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ جو آسمان کی بادشاہی کی خاطر کی جائیں۔

ہم دیکھ چکے ہیں کہ ہماری زندگی کی ایک قباحت اور اس کے بے اثر ہونے کا ایک سبب یہ ہے کہ ہم یسوع کی تنبیہ کے باوجود خدا اور دولت دونوں کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ یہاں دولت سے مراد روپیہ

پیسہ ہے۔ مگر دولت کا مطلب اس کے علاوہ اور بھی ہے۔ اس سے مراد ہر وہ شے ہے جسے ہم اپنی ملکیت سمجھتے ہیں۔ اور صرف اپنے ہی لئے استعمال کرنا چاہتے ہیں۔ اس سے ہر وہ شے مراد ہے۔ جو روحانی اور خدائی اشیا کی مخالف ہو۔ یہاں خدا اور دنیا کے درمیان امتیاز مقصود ہے۔ خود غرضی و خود پرستی اور خدا پرستی و ابنائے جنس کی خدمت کے درمیان امتیاز ہے۔ خود غرضی اور خود انکاری کے درمیان امتیاز ہے۔ دولت کی خدمت کرنے کی آزمائش ہمیں مختلف صورتوں میں آتی ہے۔

سب سے مقدم وہ آزمائش ہے۔ جو ہم سب کے لئے عام ہے اور وہ یہ کہ ہم خیال کرنے لگتے ہیں۔ کہ ہماری دنیاوی جائیداد ہماری اپنی ہے۔ اور ایسی جائداد پیدا کرنے کا سودا ہمارے سر میں پیدا ہوتا ہے۔ ہم زیادہ سے زیادہ روپیہ جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تاکہ ہماری زندگی پُرآسائش اور پُرقوت ہو۔ یا ایسا ہی کوئی اور خود غرضی کا مقصد ہوتا ہے۔ یہ ایسی آزمائش ہے۔ جو غالباً ہم سب کو کبھی نہ کبھی ضرور پیش آتی ہے۔ ہم خدمت پر روپیہ کو اور خدا کی مرضی پر دولت کو ترجیح دیتے ہیں۔ بے شک اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم اپنے کام کے عوض روپیہ حاصل نہ کریں۔ اور ان لوگوں کی ضروریات سے غافل رہیں جن کی کفالت ہمارے ذمہ ہے۔ بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ روپیہ ہی ہماری زیست کا واحد مقصد نہ ہو۔ یہ زندگی میں ایک اضافی شے ہو۔ روپیہ کی محبت ہمیں آسمان کی بادشاہی کی خدمت سے منحرف نہ کرا دے۔ بالفاظ دیگر روپیہ کو زندگی میں ایک ادنےٰ درجہ ملنا چاہئے۔ اور اسے اس نظر سے

دیکھنا چاہئے۔ کہ یہ ہمارے لئے زیست کی ایک ضرورت ہے۔ مگر اس سے زیادہ اسے ہماری زندگی اور ہمارے خیالات میں دخل نہ ہونا چاہئے۔ اگر کبھی ہماری زندگی میں روپیہ اور خدمت خلق یا خدا پرستی میں کشمکش برپا ہو۔ تو روپیہ کو پس پشت ڈال دینا چاہئے۔

بالعموم یہ آزمائش بڑی عیاں ہوتی ہے۔ اور اسے شناخت کرنا ہمارے لئے مشکل نہیں کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے ہمیں اپنی زندگیوں میں آزمائش پر غالب آنے کے لئے خدا سے قوت حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔ لیکن معاملہ بالکل صاف ہے۔ اگر خدا سمجھتا ہے کہ ہمیں روپیہ ملنا چاہئے۔ تو وہ یہ بھی توقع رکھتا ہے۔ کہ یہ روپیہ اس کی خدمت میں صرف ہو۔ وہ چاہتا ہے کہ روپیہ ہمارا غلام ہو۔ آقا نہ بننا پائے۔ اور ہم اس پر رضامند ہوں۔ تو وہ ہمیں ایسا کرنے کی قوت عطا کرے گا۔ مگر ایسی صورتیں بھی ہیں۔ کہ ہمیں آزمائش پیش آتی ہے مگر اسے شناخت کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔ اور اکثر ہم ایسی زندگیاں گذارنے لگتے ہیں جن کی وفاداری کئی کئی آقاؤں میں منقسم ہوتی ہے۔ اور ہمیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ یسوع ہمیں کہتا ہے کہ تم ایسا کر ہی نہیں سکتے۔

اول ہم مسیح یسوع کے معیاروں کی بجائے دنیا کے معیار قبول کرتے ہیں ہم ان لوگوں کو جو یسوع کے پیرو نہیں موقع دیتے ہیں کہ ہمارے لئے راست و ناراست کا فیصلہ کریں۔ مثلاً ہم اُن لوگوں کو جو مسیح کے پیرو نہیں یہ موقع دیتے ہیں کہ ہمیں بتائیں کہ انصاف کا معیار کیا ہے۔ ہم انصاف و سزا کے عام خیال کی کورانہ تقلید کرتے ہیں۔ اور یہ سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ آیا یہ خیالات یسوع کی تعلیم اور اس کے قائم کردہ معیار کے مطابق ہے یا نہیں۔ جب ہم یوحنا ۸: ۱۔ ۱۱ میں زناکار عورت کی کہانی پڑھتے ہیں۔ تو کیا

ہمارے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یسوع بدکاروں سے ایسا سلوک کرتا تھا۔ جو ہمارے سلوک سے بالکل مختلف ہے۔ اگر ہم وہی رویہ اختیار کرتے ہیں۔ جو دنیا اختیار کرتی ہے۔ اور اس طریقہ سے جو مسیح یسوع نے استعمال کیا پہلوتہی کرتے ہیں۔ تو ہم دولت (MAMMON) کے غلام ہیں۔

تاکستان میں کام کرنے والے مزدوروں کی تمثیل میں ایسی ہی بات تھی۔ ان لوگوں کو ان کی ضروریات کے مطابق اجرت ملی۔ ہم اپنے اقتصادی کاروبار میں دنیا کے معیاروں پر کاربند ہوتے ہیں۔ ان میں اور مسیح یسوع کے معیاروں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ وہ لوگ جو کلیسیا سے باہر ہیں۔ اکثر ہمیں سکھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ ہم کیا منادی کریں۔ حکومت یہ کہتی ہے کہ اُسے حق حاصل ہے کہ فیصلہ کرے کہ کلیسیا اور مدرسہ میں کیا سکھایا جائیگا۔ اگر ہم اس سے اتفاق کرتے ہیں۔ تو ہم دولت (Mammon) کی خدمت کر رہے ہیں۔ ہمارے پاس فیصلہ کا ایک معیار ہے جس سے ہمیں پتہ لگ سکتا ہے کہ ہمیں کیا منادی کرنی اور کیسا عمل کرنا چاہئے۔ اور وہ معیار حکومت نہیں۔ کوئی جماعت یا شخص نہیں۔ وہ معیار یسوع مسیح ہے اور صرف وہی ہے۔ بعض اوقات ہم دنیا کو موقعہ دیتے ہیں۔ کہ وہ ہمارے تخیل پر حکومت کرے اور جس طرح چاہے۔ اسے استعمال کرے۔ مثلاً ہم عظمت کے ان معیاروں کو قبول کرتے ہیں۔ جو دنیا نے قائم کئے ہیں۔ ہم فاتح کو عظیم ہستی گردانتے ہیں۔ کامیاب سوداگر اور شاد کام سیاستدان کو بڑا آدمی سمجھتے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ یہ ایک رسم ہے۔ لیکن اگر ہم عظمت کو مسیح یسوع کے پیمانے سے ناپیں۔ تو ہمارے فیصلے بالکل مختلف ہوں گے۔ یسوع نے کہا کہ غیر اقوام ان لوگوں کو بڑا سمجھتی ہیں

جو ان پر حکومت جتاتے ہیں۔ مگر مسیح یسوع کے شاگردوں کے درمیان معاملہ بالکل مختلف ہے۔ ان کے درمیان درحقیقت بڑا وہ ہوگا۔ جو فروتنی سے خدمت کرے لیکن کیا عظمت و اہمیت کا ہمارا معیار یہی ہے۔ اگر نہیں تو ہم دنیا کے غلام ہیں۔

مسیحی کوئی ایسا خاص تقاضا نہیں کرتے۔ کہ کتب تواریخ کو مسیح کے معیاروں کے مطابق از سر نو تحریر کیا جائے۔ لیکن تاریخ لکھتے وقت شاذ و نادر ہی مسیح یسوع کے معیار ہائے عدل کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ اگر ہم دولت کی بجائے خدا کی خدمت کرتے ہیں۔ تو ہم عظمت و اہمیت کے ان معیاروں کو جو تاریخ کی تقدیم میں وضع کئے گئے ہیں۔ بدلنے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں گے۔

خاص کلیسیاء ہی میں عظمت و اہمیت کے فیصلہ کے لئے کونسے معیار استعمال کرتے ہیں؛ کیا ہم بیشتر دنیا کے معیاروں کو کلیسیاء میں داخل نہیں ہونے دیتے؟ ہمارے ہاں بشپ اور ایسے آدمی ہوتے ہیں۔ جو صاحب اختیار ہوتے ہیں۔ ہم اُنہیں کلیسیا میں بزرگ ہستیاں سمجھتے ہیں۔ مگر یہ وہ خیال نہیں جو یسوع کا تھا۔ اور اگر کلیسیا میں ہم دنیوی معیاروں کو راہ دیتے ہیں۔ تو ہم دولت و دنیا کے مرید ہیں۔

اکثر رائے عامہ ہماری رہنما ہوتی ہے۔ ہم بعض کام صرف اس وجہ سے کرتے ہیں۔ کیونکہ ہر کوئی انہیں کرتا ہے۔ ہم دوسروں کی رائے پر

چلتے ہیں۔ یہی کچھ ہم کلیسیائی امور میں بھی کرتے ہیں۔ کلیسیا میں رائے عامہ ہمیں مُرغ بادنما کی طرح اپنے رُخ پھراتی ہے۔ ہم کاہلی اور لاپروائی کے باعث وہ دماغ اور قوتیں استعمال نہیں کرتے۔ جو خدا نے ہمیں عطا کی ہیں۔ اور ہم پیش پا افتادہ خیالات کو قبول کر لیتے ہیں۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں۔ تو یقیناً ہم دولت کے غلام ہیں۔ اور وہ ہماری رہنما اور ہماری آقا ہے۔ ہم خدا کی خدمت اُسی وقت کر سکتے ہیں۔ جبکہ ہم اپنے دل و دماغ اس کے لئے مقدّس کریں۔ نیز ہماری دوسری قوتیں بھی اسی کے لئے مخصوص ہوں۔ ذہنی کاہلی ایک ایسے ہاتھ کے مشابہ ہے۔ جو ہمیں کاٹنا پڑے گا۔

اکثر اوقات ہم موقعہ دیتے ہیں کہ دنیا ہمارے جذبات پر قبضہ کر کے ہمیں کٹھ پُتلی کی طرح نچائے۔ دنیا خدا پر ایمان نہیں رکھتی۔ اور اس لئے امکان ہے کہ وہ تاریک بین ہو۔ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ یسُوع کے پَیرو اس قنوطیت یعنی تاریک بینی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ یسُوع مسیح کے خدا پر ایمان رکھنے والے شخص کے لئے کوئی وجہ نہیں کہ وہ تاریک بین ہو۔ اگر ہم تاریک بین ہیں۔ تو ہمیں سمجھ لینا چاہیئے۔ کہ ہم اپنے ایمان سے محروم ہو چکے ہیں۔ جب ہم اپنا ایمان کھو بیٹھے۔ تو ہم دولت کے غلام ہیں۔ یہ ہمیں کب گوارا ہو سکتا ہے کہ ہم دنیا کے ہاتھ میں کاٹھ کے اُلّو ہوں۔ وہی ہمارے جذبات پر قابض ہو۔ اور وہی ہمارے ایمان کی محتسب۔

ایک اور خطرناک آزمائش جو ہمیں پیش آتی ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم اکثر مان لیا کرتے ہیں۔ کہ ایک کام کا (نیک) انجام ان ذرائع کو جائز قرار دے سکتا ہے۔ جو اس کام کو انجام دینے کے لئے استعمال کئے گئے

چنانچہ اس کو حقیقت سمجھ کر ہم اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ یہ ایک ایسی آزمائش ہے۔ جو ہر ایک انسان کو پیش آتی ہے۔ لیکن ایک زیبا مقصد کی تکمیل کے لئے نازیبا اور زبون ذرائع استعمال کرنا فی الواقع دولت کی عبادت کرنا ہے۔ وہ کہانی جو یسوع نے اس آزمائش کی سنائی جو اسے اپنی خدمت کی ابتدا میں پیش آئی تھی۔ اس آزمائش کی بالکل وضاحت کر دیتی ہے۔ یہ آزمائشیں ایسی آزمائشیں تھیں جن میں نیک انجام کے کے حصول کے لئے نازیبا ذرائع استعمال کرنے کی ترغیب تھی۔ یسُوع نے اس خطرے کو پہچان لیا۔ اور اس کا جواب یہ تھا۔ "دور ہو شیطان" اچھے نتائج حاصل کرنے کی خواہش کتنی دفعہ ہمیں۔ اس آزمائش میں گرا دیتی ہے۔ اور ہم کچھ عرصہ کے لئے دنیا کی خدمت کرتے ہیں۔ تاکہ پایان کار ہم خدا کی خدمت کر سکیں۔ اس سے بڑھکر اور کوئی غلطی ہم سے سرزد نہیں ہو سکتی۔ یہی سب سے بڑی غلطی ہے۔ جو مسیحی لوگ جنگ کے متعلق کرتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ جنگ بُری شے ہے۔ لیکن وُہ سمجھتے ہیں۔ کہ وہ جنگ کو ایک روحانی مقصد کے حصول کے لئے کام میں لا سکتے ہیں۔ لیکن یہ تو ایک نیک نتیجہ کے لئے بُرے ذریعہ کو کام میں لانا ہے۔ یہ کچھ عرصہ کے لئے اس امید پر "دیو" کی خدمت کرنا ہے۔ کہ جب حالات کچھ روبراہ آجائیں گے۔ تو ہم خدا کی خدمت کریں گے۔ ہر جنگ کا انجام اور بالخصوص دورِ حاضرہ کی جنگ کا انجام ایک دروغ مصلحت آمیز ہے۔ اور مسیح یسُوع نے اسے بھانپ لیا تھا۔ ہم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے۔

اکثر ہمیں یہ آزمائش لاحق ہوتی ہے۔ کہ ہم بدی کے ساتھ مصالحت

کرلیں ۔ہم خیال کرنے لگتے ہیں ۔کہ مکمل راستی کا حصول ناممکن ہے ۔ چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ ہم کچھ ناراستی بھی قبول کریں گے ۔تا کہ آخر میں راستی کی طرف ترقی کر سکیں ۔لیکن یہ نئے کنٹروں میں وہی پرانی شراب ہے ۔ہم انجام سے ذرائع کے جواز کی تصدیق کرانا چاہتے ہیں ۔مفاہمت کا مطلب یہ ہے ۔کہ ہم ایک حد تک وہ بات ترک کر دیتے ہیں جس کی راستی کا ہمیں علم ہے ۔اور ایسی بات کو قبول کرتے ہیں ۔جس کی راستی یا ناراستی کے متعلق ہمیں کچھ معلوم نہیں ۔یہ خدا اور دولت دونوں کی خدمت کرنے کی سب سے عام مثال ہے ۔اور راست وناراست کی بیک وقت تعمیل کرنے کی کوشش ہے ۔شائد اس کے طفیل ہم ناگوار حالات سے بچ سکیں ۔مگر خدا کی بادشاہی کی ترقی میں اس سے کوئی مدد نہ ملے گی ۔ یہ تمام صورتیں جن کے ذریعہ ہمیں آزمائشیں آسکتی ہیں ۔اس بات کا تقاضا کرتی ہیں ۔کہ ہم کو اپنا امتحان کرنے میں کس قدر ہوشیار ہونا چاہیئے ۔ ہمیں خداوند یسوع کی زندگی اور تعلیم کی روشنی میں متواتر اپنا امتحان کرتے رہنا چاہیئے ۔صرف اس صورت میں ہم اپنے آپ کو ان خطرناک آزمائشوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں ۔

ہمیں دلیری سے اپنے آپ کو پرکھنا ہے اور اپنے مقاصد کو سمجھنے کی کوشش کرنی ہے ۔تا کہ کم از کم ہمیں یہ تو پتہ لگے کہ ہم کدھر کو جا رہے ہیں جب یہ معاملہ صاف ہو جائے ۔تو ہم فیصلہ کر سکتے ہیں ۔کہ ہم کس کی خدمت کریں گے ۔ہمیں ہمیشہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے ۔کہ نکما پن کوئی شے نہیں یہ ناممکن ہے کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھکر بیٹھے رہیں اور خیال کریں کہ ہم خدا کی خدمت کر رہے ہیں ۔بیکار بیٹھے رہنا "دیو" کی خدمت کا سب سے

اعلےٰ طریقہ ہے ۔خدا کی خدمت کے لئے لازم ہے کہ ہم چست ہوں ۔اور چستی سے اس کی بادشاہت کے کاموں میں مشغول رہیں ۔ورنہ ہم ان طاقتوں کی خدمت کر رہے ہیں ۔جو اس کی بادشاہت کے خلاف صف آرا ہیں ۔پس آیئے ۔ہم اُن تمام طاقتوں اور اہلیتوں کو جو خدا نے ہمیں عطا کی ہیں ۔اس کی بادشاہت کی خدمت کے کام میں صرف کریں ۔ اس بھروسہ کے ساتھ کہ وہ ہم پر اپنی مرضی روشن کرے گا ۔اور ہمیں "دیو" کی خدمت کرنے کی آزمائش کا مقابلہ کرنے کے لئے قوت دے گا ۔ جیسا کہ یسوع نے اس کا مقابلہ کیا ۔

غور و بحث کے لئے سوالات

۱۔ مفاہمت (Compromiae) کبھی نیک شے ہو سکتی ہے ؟ کیا اس کے بغیر زندگی گذارنا ممکن ہے ؟

۲۔ ہم اپنی ہی زندگیوں میں کتنا اکثر "دیو" کی خدمت کرتے ہیں

۳۔ کیا کوئی شخص جو خدا پر ایمان رکھتا ہو ۔ وہ تاریک بین ہو سکتا ہے

۴۔ کیا ہماری کلیسیائی تنظیم مسیح کے منشا کے موافق ہے ؟

تیسرا باب

یسُوع پَرکھتا ہے

لوقا ۱۰ : ۲۵-۲۸، لوقا ۱۸ : ۱۸-۲۳، متی ۲۵ : ۳۱-۴۶
یوحنا ۷ : ۱۷، متی ۲۵ : ۱۴-۳۰، لوقا ۱۰ : ۲۶-۳۷،
متی ۱۱ : ۲-۶، متی ۷ : ۲۴-۲۹، متی ۵ : ۱۹-۲۰،
" ۷ : ۲۱-۲۳،

۱- زندگی کا امتحان یا پرکھ-

جب عالمِ شرع نے یسُوع سے آکر پوچھا کہ میں کیا کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی پاؤں۔ یسُوع نے اسے فوراً بتا دیا کہ اسے کیا کرنا چاہئے کم سے کم یسوع نے عالمِ شرع سے پوچھا۔ اور عالمِ شرع جو کافی علمی واقفیت رکھتا تھا۔ صحت کے ساتھ سب سے بڑے دو حکم بیان کر دیتا ہے۔ یسُوع نے کہا کہ تمہارا جواب درست ہے۔ مگر بہت ہی پُرمعنی انداز سے۔ یہ بھی فرمایا۔ کہ جو کچھ تو نے کہا ہے۔ اس کے مطابق عمل کر۔ تو ہمیشہ کی زندگی پائے گا۔ یعنی یسوع زندگی کی پَرکھ عمل سے کرتا تھا۔ اگر کوئی شخص جیتی کے ساتھ خدا کے احکام بجا لاتا ہے اور اس کی مرضی پر عمل کرتا ہے۔ تو وہ زندہ ہے اور ہمیشہ کے لئے زندہ ہے۔ زندگی محض بائبل کو جاننے۔ اتوار کو وعظ سننے اور کتابیں

پڑھنے ہی میں نہیں پائی جاتی۔ بلکہ اس کی اصلی کسوٹی عمل ہے۔ یسوع کے اصول کی رُو سے اس وقت تک لوگوں کو حیاتِ ابدی حاصل نہیں ہو سکتی جب تک وہ عمل نہ کریں۔ ایمان لازم ہے۔ لیکن ایمان کی کسوٹی عمل ہے ہم فی الحقیقت ایمان دار نہیں کہلا سکتے۔ تاوقتیکہ ہم ایمان کے مطابق عمل نہ کریں۔ پس شریعت کی واقفیت کا امتحان اس واقفیت کے مطابق عمل کرنا ہے۔ اگر کوئی شخص عمل نہیں کرتا۔ تو اس میں زندگی نہیں۔

۲- تقدیس کی پرکھ

ہمیں بتایا گیا ہے کہ وہ نوجوان دولتمند جو یسوع کے پاس آیا۔ ایک ایسا آدمی تھا۔ جسے دیکھکر یسُوع کے دل میں اس سے محبت پیدا ہو گئی۔ بالکل عیاں ہے۔ کہ اس کی شخصیت پُرکشش اور اس کی جوانی جاذبِ توجہ تھی۔ اس کی شخصیّت میں بہت سے امکانات پوشیدہ تھے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ نیک زندگی گذار رہا تھا۔ وہ اپنی زندگی اور اپنی ذات کو بہتر بنانا چاہتا تھا۔ وہ یسُوع کے پاس آیا اور اس سے دریافت کیا۔ کہ وہ اور کیا کچھ کر سکتا ہے۔ یسوع کا جواب ایک دعوتِ عمل تھی۔ یسُوع نے نوجوان کی تقدیس یا مخصوصیت کو پرکھا۔ اور وہ پورا نہ اُترا۔ ایک نوجوان حاضر تھا، وہ خدا کی خدمت کرنے کا شوق اپنے دل میں رکھتا تھا۔ مگر یسوع کی پرکھ نے یہ بات عیاں کر دی کہ اس کی مخصوصیت وہ نہیں جو بظاہر دکھائی پڑتی ہے۔ جب اُسے عمل کی کڑی راہ پر گامزن ہونا پڑا۔ جس راہ میں بڑی خود انکاری کی ضرورت تھی۔ تو وہ ناکام ثابت ہوا۔ باتوں میں تو وہ پورا اترتا تھا۔ لیکن جب عمل کا وقت آیا۔ تو پتہ لگ گیا کہ اس

کی مخصوصیت ایک جزوی شے تھی۔ اور اس کا اثر ان اشیا تک ہی محدود تھا۔ جو اسے عزیز نہ تھیں۔ مگر امتحان کی کڑی آزمائش نے ثابت کر دیا کہ اس کی مخصوصیت ایک سطحی معاملہ ہے۔

کیا مخصوصیت کی یہ پرکھ ہماری بھی قلعی اسی طرح نہیں کھول دیتی ؟ ہم ان باتوں میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ اور جو کچھ ہمارے پاس ہے۔ ہم کہا کرتے۔ وہ سب کچھ خدا کی بادشاہت کے لئے مخصوص و مقدّس ہے۔ لیکن جب وقت آتا ہے۔ اور خدا خدمت کے لئے ہمیں روپیہ صرف کرنے اور قربانی کرنے کے لئے موقعہ دیتا ہے۔ تو ہم طرح طرح کے عذر تراشتے ہیں اور بہانے بناتے ہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے۔ کہ ہماری مخصوصیت محض باتوں تک مخصوص ہے اور اس کا اثر عمل کی صورت میں ظاہر نہیں ہوتا۔ دعوتِ عمل۔ ایفاءِ وعدہ۔ ہماری اس محبت کا امتحان ہے۔ جو ہمیں یسوع کے ساتھ ہے۔ اور ہماری اس مخصوصیت کی پرکھ ہے۔ جو ہم نے اس کی بادشاہت کے لئے کی ہے۔

۳۔ محبّت کی پرکھ :۔

خداوند کے لئے ہماری محبّت کی کسوٹی وہ باتیں نہیں۔ جو ہم اس کی بابت کرتے ہیں۔ وہ خیالات نہیں جو ہم اس کے متعلق رکھتے ہیں۔ وہ عقیدہ نہیں جو ہم اس کی بابت رکھتے ہیں۔ بلکہ اصلی کسوٹی یہ ہے کہ ہم اس کی خاطر کیا کرنے کو تیار ہیں۔ وہ امتحان یا پرکھ جس کی تصویر یسوع نے آخری عدالت کی تمثیل میں کھینچی ہے۔ وہ یہی پرکھ تھی۔ کہ وہ لوگ جو ادھر اُدھر سے اس کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ انہوں نے اس کی خاطر کیا کیا۔ وہ

ان کے معتقدات، اور راسخ الاعتقادی کی پروا نہیں کرتا۔ وہ تو یہ دریافت کرنا چاہتا تھا۔ کہ ان لوگوں نے ان کی خاطر کیا کیا۔ جنہیں امداد اور ہمدردی کی حاجت تھی اور اس نے کہا کہ جن لوگوں نے یہ کام کئے۔ انہوں نے اپنی محبت کا ثبوت دیا اور جن لوگوں نے ان باتوں سے پہلو تہی کی اُنہوں نے ثابت کر دکھایا کہ اُنہیں یسوع سے کوئی محبت نہ تھی۔ یہ پرکھ وہ پرکھ ہے جو یسوع آج ہماری محبّت کے لئے استعمال کرتا ہے۔ وہ ان باتوں کی طرف توجہ نہیں دیتا جو ہم کہتے ہیں۔ وہ ان کاموں کی بھی پروا نہیں کرتا جو ہم اپنے لئے کرتے ہیں۔ لیکن اُس کی آنکھ دیکھ رہی ہے کہ ہم ان لوگوں سے کیا سلوک کرتے ہیں۔ جو ہم جیسے بختاور نہیں۔ جو ہماری مدد کے محتاج۔ ہماری ہمدردی کے طالب۔ ہماری عنایت کے جویاں ہیں۔ اگر ہم ان لوگوں کی خدمت میں منہمک ہیں۔ تو ہم ثابت کر رہے ہیں کہ ہمیں یسوع سے محبّت ہے اگر نہیں تو ہماری تمام باتیں فضول ہیں۔ یسوع عمل کی کسوٹی سے پرکھتا ہے

۴۔ صداقت کی پرکھ :۔

یسُوع نے کہا کہ اگر ہم معلوم کرنا چاہیں۔ کہ جو بات ہمیں سکھائی جاتی ہے وہ سچ ہے یا جھوٹ۔ تو ہمارے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم خدا کی مرضی بجا لانے کے لئے تیار رہوں۔ یعنی اگر ہم پورے دل سے خدا کی مرضی بجا لائیں۔ تو ہمیں معلوم ہو جائے گا۔ کیا سچ ہے اور کیا جھوٹ۔ صداقت کی کسوٹی عمل ہے۔ اشیاء کے متعلق محض قیاس آرائی کر کے ہم صداقت کو نہیں پا سکتے۔ خواہ ہمارے خیالات کتنے ہی گہرے اور حکمت آمیز کیوں نہ ہوں جب ہم عمل کرتے ہیں۔ تو صداقت ہم پر عیاں ہو جاتی ہے۔ اگر اُس بات پر عمل کرتے ہیں -

جو خدا نے ہم پر ظاہر کی ہے۔ تو خدا ہمیں صداقت کی زیادہ سے زیادہ شناخت بخشتا ہے۔ لیکن جب تک ہم عمل نہیں کرتے۔ ہم کچھ بھی دریافت نہیں کر سکتے۔ ہمیں صداقت کی معرفت عمل سے حاصل ہوتی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں۔ کہ جب تک یہ پتہ نہ ہو کہ کیا کرنا ہے۔ ہم عمل نہیں کر سکتے۔ لیکن ہر حالت میں ہم کچھ نہ کچھ تو کر ہی سکتے ہیں۔ کچھ نہ کچھ تو ہوتا ہی ہے۔ جیسے ہم کرنا جانتے ہیں۔ اگر ہم اس واقفیت کے مطابق جو ہمیں حاصل ہے عمل کریں تو ہمیں اور واقفیت حاصل ہوگی۔ یہ زندگی کا عام اصول ہے۔

لیکن جب ہمیں خدا کی باتوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ تو یہ ضروری ہے۔ کہ ہم عمل کرنے کو تیار ہوں۔ تاوقتیکہ ہم رضامند نہ ہوں۔ ہم خدا کی صداقت کو نہیں پا سکتے۔ عمل کرنے کے لئے ہماری رضامندی ہی وہ ذریعہ ہے۔ جو خدا ہمیں اپنی صداقت کا علم دینے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ عمل ہی وہ کسوٹی ہے جس سے ہم پر یہ بات کھلتی ہے۔ کہ آیا وہ مرضی جس پر ہم کاربند ہیں ۔ فی الحقیقت خدا کی مرضی ہے۔ ہم وثوق کے ساتھ کبھی نہیں جان سکتے۔ کہ آیا جو ہم مانتے ہیں۔ وہ خدا کی صداقت یا مرضی ہے یا نہیں۔ جب تک کہ ہم نے اس پر عمل نہ کیا ہو۔ تب ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ عمل اصول کی کسوٹی ہے اور صداقت کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

بعض اوقات مسیحیت کو ایک جان جوکھوں کا مذہب کہا گیا ہے۔ واقعی مسیحیت خدا پر ایمان رکھتے ہوئے جان کی بازی لگانے یا جان پر کھیلنے کا نام ہے۔ ہم اکثر نہیں جانتے کہ ہمارے اعمال کا نتیجہ کیا ہوگا۔ لیکن اگر فی الحقیقت ہمیں صداقت کی تلاش کا شوق ہے۔ تو لازم ہے کہ ہم میں اس بات پر عمل کرنے کی جرات ہو۔ جسے ہم سچ سمجھتے ہیں۔ اگر ہم خدا پر ایمان

رکھکر ایسا کریں گے۔ تو وہ ہم پر تمام سچائی ظاہر کر دے گا۔

۵۔ وفاداری یا دیانتداری کی پرکھ:۔

توڑوں کی تمثیل میں خداوند یسوع نے ہمیں سکھایا۔ کہ دیانت داری کو پرکھنے کی کسوٹی وہ طریقہ ہے۔ جس کے مطابق ہم نے ان قوتوں اور نعمتوں کو برتا ہے۔ جو خدا نے ہمیں بخشی ہیں۔ وہ آدمی جو ناکارہ ہے۔ جو اپنے توڑوں کو کام میں نہیں لاتا یعنی اپنے دل و دماغ۔ جسم اور روح کی قوتوں سے کام نہیں لیتا۔ وہ مردود ہے۔ جب نوکروں کی عدالت ہوئی۔ ان کی عدالت جو کچھ انہوں نے کہا اس کے مطابق نہ ہوئی نہ ان کی عدالت اپنے آقا کی شہرت پھیلانے کے مطابق ہوئی نہ جو کچھ انہوں نے اپنے آقا کے متعلق کہا اسے شمار کیا گیا نہ اس خیال کی پروا کی گئی جو وہ اپنے آقا کے متعلق رکھتے تھے بلکہ ان کی عدالت اس کام کے مطابق ہوئی جو انہوں نے انجام دیا ان کا آقا ان کے کام کے پھل کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اچھا اور دیانت دار خادم وہ ٹھہرا۔ جس نے اپنے توڑوں سے کام لیا۔ پس وہ دیانت داری کی پرکھ لفظوں سے نہیں بلکہ عملوں سے کرتا ہے۔ مکرر یہ مثال ہے کہ یسوع عمل پر بہت زور دیتا تھا۔ وہ اس بات کا قائل تھا کہ فرد یا ادارہ کو مفید اور کام کا ہونا چاہئے۔ اگر وہ مفید نہیں نکلتے ہیں۔ تو وہ زندہ رہنے کے مستحق نہیں۔ اس نے اپنے شاگردوں کی پرکھ اسی اصول پر کی کہ آیا وہ دوسروں کے لئے فائدہ مند ہیں ۔ اپنی دیانتداری اور خدمت کے لئے آمادگی کے راگ گانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ وہ شے جس کی تلاش یسوع کرتا ہے۔ وہ عمل ہے اور بس۔

۶۔ اخلاص کی پرکھ:۔

عالمِ شرع یسوع کے پاس آیا اور اُس سے دریافت کیا کہ میرا پڑوسی کون ہے۔ یسوع نے اسے نیک سامری کی تمثیل سُنائی۔ اور اس نے پوچھا۔ کہ اس کہانی میں پڑوسی کون ہے؟ عالمِ شرع کو اس کے سوا چارہ نہ تھا۔ کہ نیک سامری کو پڑوسی ٹھہراتا۔ یسوع نے اس کی طرف مڑ کے کہا۔ "جا تو بھی ایسا کر" یہ شخص بحث اور استدلال کے لئے آیا تھا۔ وہ اصولی طور پر تسلیم کرنے کو تیار تھا۔ کہ پڑوسی وہ ہے جو نیک سامری کی طرح عمل کرتا ہے۔ لیکن اُس کے لئے یہ سب باتیں ہی باتیں تھیں۔ یسوع نے خوب بھانپ لیا تھا۔ کہ وہ صادق و مخلص نہیں۔ پس اس نے اس کے لئے ایسی آزمائش رکھی جس سے اس کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ یسوع نے اس سے کہا۔ "جا اور اُس بات کے مطابق عمل کر۔ جس کی صداقت کو تو نے تسلیم کیا ہے۔

یہی آزمائش یسوع ہم سبھوں کے سامنے رکھتا ہے۔ اگر ہم مخلص ہیں۔ تو ہم اس اصول کے مطابق عمل کریں گے۔ جس کی راستی کو ہم تسلیم کرتے ہیں۔ اگر ہم کہیں کہ اپنی صلیب اٹھانا صحیح ہے۔ اور اپنے آپ کو کسی طرح قربان کرنے کو تیار نہ ہوں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم صادق نہیں۔ اگر ہم کہیں کہ دوسروں کے متعلق بکواس کرنا اور ان کے پیٹھ پیچھے ان کے چال چلن پر نکتہ چینی کرنا بُرا ہے۔ لیکن اس شغل میں لگے رہیں۔ تو ہم یسوع کی آزمائش میں فیل ہو گئے۔ اور یہ ثابت کر دیا کہ ہم صادق اور مخلص نہیں۔ اگر ہم جانتے ہیں۔ کہ دوسرے ہماری مدد کے محتاج ہیں۔ اور ہم انہیں مدد نہیں دیتے۔ تو ہم مخلص نہیں۔ اپنی صداقت دکھانے کے لئے ہمارے سامنے صرف ایک

ہی بات ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم جو کچھ کہتے ہیں اور جو کچھ مانتے ہیں۔ اس کے مطابق عمل کر کے دکھائیں۔ یہ وہ آزمائش ہے۔ جو یسوع ہمارے سامنے اس وقت رکھتا ہے جبکہ ہم کہتے ہیں کہ ہمیں اس سے محبت ہے۔ اگر واقعی ہمارا یہی مطلب ہو اور اگر ہم مخلص ہوں۔ تو ہم اسی کے مطابق عمل کریں گے۔

۷۔ یسوع کی سچے مذہب کی پرکھ:۔

جب یوحنا بپتسمہ دینے والے نے یسوع کے پاس اپنے شاگرد یہ معلوم کرنے کے لئے بھیجے کہ آیا وہ واقعی مسیح ہے۔ تو یسوع نے اسے کسی دلیل سے قائل کرنے کی کوشش نہ کی کہ وہ مسیح ہے۔ نہ اس نے پرانے عہدنامہ سے اپنے مسیح ہونے کی تائید میں اقتباس پیش کئے۔ اُس نے یوحنا کے شاگردوں کو کچھ عرصہ کے لئے اپنے کام دیکھنے کا موقعہ دیا۔ پھر ان کو لوٹنے کا حکم دیا اور کہا کہ جو کچھ تم نے دیکھا ہے۔ جا کر یوحنا کو بتا دو۔ اور جو کچھ انہوں نے دیکھا تھا وہ باتیں نہ تھیں۔ بلکہ عمل تھا۔

متی ۱۱: ۵ میں اُن کاموں کی فہرست دی گئی ہے۔ جو یسوع نے یوحنا کے شاگردوں کو بتائے تاکہ یوحنا پر ظاہر کر دے کہ وہی وہ شخص ہے جس کے یہودی منتظر تھے اور کہ اس کے پاس لوگوں کے لئے سچائی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ منادی اس فہرست میں آخری درجہ پر ہے۔ یسوع کی نظر میں اعمال باتوں اور منادی کی نسبت زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔ وہ ہمیں دکھانا چاہتا ہے کہ حقیقی مذہب عمل میں مُضمر ہے۔ جیسا کہ میکاہ نبی کہتا ہے: "اے انسان اس نے تجھ پر نیکی ظاہر کر دی ہے۔ خداوند تجھ سے اس کے سوا کیا چاہتا ہے کہ تو انصاف کرے اور رحمدلی

کو عزیز رکھے۔ اور اپنے خدا کے حضور فروتنی سے چلے ؟ میکاہ ۶ : ۱ ۔
اور بہت سے لوگ مذہب کو اسی کسوٹی پر کستے ہیں۔ وہ لوگ جن کے درمیان ہم رہتے ہیں۔ اس بات کی پروا نہیں کرتے کہ ہم کیا مانتے اور کیسا عقیدہ رکھتے ہیں۔ انہیں اس کام سے دلچسپی ہے۔ جو ہم کرتے ہیں۔ وہ ہمارے عقیدے اور ہمارے مذہب کی قدر و قیمت کا اندازہ ان اعمال سے لگاتے ہیں۔ جو ہم سے سرزد ہوتے ہیں۔ ہمارا عقیدہ یا قول نہیں بلکہ ہمارے اعمال ہی ہمارے مذہب کی سب سے بڑی شہادت ہیں۔ ایک دفعہ ایک مشہور آدمی نے کہا کہ " جو کچھ تم کرتے ہو۔ اس کی آواز اس قدر بلند ہے کہ جو کچھ تم کہتے ہو۔ وہ مجھے سن ہی نہیں پڑتا " اور ہمارے مذہب کی شہادت کے بارے میں یہ بات بالکل صادق آتی ہے۔ لوگ ہمارے فعلوں کو دیکھکر ہمارے متعلق اندازہ لگاتے ہیں۔ یسوع ہمارے مذہب کا اندازہ ہمارے فعلوں سے کرتا ہے۔ اس کی بڑی عظمت یہ تھی۔ کہ اس کا مذہب اس کی زندگی تھا۔ اور اس کی فاتح زندگی کا یہی راز تھا۔

عظمت یا بڑائی کی پرکھ :-

جیسا کہ ہمیں معلوم ہے۔ یسوع عظمت کے متعلق بالکل انوکھا خیال رکھتا تھا۔ جو اس خیال سے مختلف ہے۔ جو عام لوگوں میں پسندیدہ اور مقبول ہے بڑے وہ ہیں۔ جو خدمت کرتے ہیں۔ اور خدا کی بادشاہت میں عظمت یا بڑائی کی پرکھ جو اس نے متی ۵ : ۱۹ میں بتائی وہ خدا کے احکام پر عمل کرنا ہے "لیکن جو ان پر عمل کرے گا اور ان کی تعلیم دے گا۔ وہ بڑا کہلائے گا۔"

دیکھئے احکام پر عمل کرنا ان کی منادی سے مقدم آیا ہے۔ ہم اس وقت تک تعلیم نہیں دے سکتے۔ جب تک کہ ہم نے خود ان باتوں پر عمل نہ کیا ہو اگر ہم نے خود خدا کے احکام پر عمل نہیں کیا۔ یا کم سے کم نیک نیتی سے ان پر عمل کرنے کی کوشش نہ کر رہے ہوں۔ ہم دوسروں کو ان کی تعلیم نہیں دے سکتے۔ خدا کی بادشاہی میں عظمت کی کسوٹی ہمیں یاد رکھنا چاہئے عمل ہے۔ لیاقت یا منادی کرنے کی مہارت نہیں۔ اور یہ آزمایش ایسی ہے جس میں اگر ہم چاہیں اور خدا سے امداد اور قوت کے ملتجی ہوں۔ تو پورے اتر سکتے ہیں۔

غور اور بحث کے لئے سوالات

۱۔ اگر ہمارے اعمال درست ہوں۔ تو ہمارے معتقدات کچھ کیوں نہ ہوں۔ کوئی مضائقہ نہیں ؟ کیا یہ سچ ہے ؟
۲۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک آدمی ایک بات کا نیک نیتی سے معتقد ہو کر اس پر عمل نہ کرے۔
۳۔ کیا مذہب میں قول اور فعل میں امتیاز ہونا چاہئے۔
۴۔ ہمارے مذہب کی سب سے بڑی شہادت کیا ہو سکتی ہے۔ کیا یہ صحیح ہے کہ لوگ ہمارے افعال سے ہمارے مذہب کا اندازہ کریں۔

چوتھا باب

صلیب کی راہ

لوقا: ٩: ٢٣ - ٢٥
متی: ٣٨:٥ - ٤٨
مرقس: ٩: ٤٩
مرقس: ٨: ٣٤ - ٣٨
لوقا: ١٨: ٢٨ - ٣٠
" : ١٨: ٣١ - ٣٤

اس وقت دنیا میں بہت سے لوگ دُکھ اٹھا رہے ہیں۔ اور مصیبت میں مبتلا ہیں۔ بعض کو روپیہ پیسہ میسّر نہیں۔ وہ بھوک کا شکار ہو رہے ہیں۔ بعض جابر لوگوں کے ظلم کا تختۂ مشق بن رہے ہیں۔ بعض جنگ کے باعث گھر سے بے گھر۔ زخمی اور بیمار ہیں۔ بعض کے سر سے ان کے ماں باپ کا سایہ اُٹھ گیا۔ تمام دنیا میں غم۔ رنج اور مصیبت پھیلے ہوئے ہیں حتیٰ کہ لوگ پوچھنے لگتے ہیں کہ اگر خدا فی الحقیقت محبت ہے۔ اور اُسے انسان کے ساتھ ہمدردی ہے تو جب وہ قدرت رکھتا ہے۔ کہ دنیا سے ان مصیبتوں کو نیست و نابود کر دے تو کیوں نہیں کرتا۔

جب ہم مسیح یسوع کی موت پر غور کرتے ہیں۔ تو ہمارے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے۔ کہ یسوع کا دکھ اٹھانا کیوں ضروری تھا۔ اور اس

دکھ اٹھانے کے کیا معنی ہیں۔ اگر ہم اس سوال کا جواب دے سکتے ہیں۔ تو ممکن ہے کہ غم و رنج اور مصیبت کی تمام وجوہات ہماری سمجھ میں آجائیں۔ اور ہم پر یہ بھی روشن ہو جائے کہ دُکھ اور مصیبت کے متعلق ہمارا کیا نظریہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ اسی نظریہ پر ہماری زندگی کا اطمینان منحصر ہے۔ اور خدا کی اچھی طرح خدمت بجا لانا اور خدا کی بادشاہت پھیلانا بھی اسی بات پر منحصر ہے۔

جب خداوند یسوع مسیح صلیب پر لٹک رہے تھے۔ تو ان کے ساتھ دو انسان اور بھی تھے۔ ان تینوں کو بہت کڑا دُکھ اٹھانا پڑا۔ لیکن اس دُکھ کی بابت ان کے خیالوں میں بہت فرق تھا۔ اور تینوں کے نظریئے میں زمین و آسمان کا بُعد تھا۔

پہلے ڈاکو نے کہا کیا تو مسیح نہیں "تو اپنے آپ اور ہم کو بچا"۔ وہ عذاب جو وہ چور اور ڈاکو اٹھا رہا تھا اس کے بُرے کاموں کی سزا تھی۔ اور وہ اس سزا کا مستوجب تھا۔ لیکن وہ ڈاکو بذات خود اس بات کا قائل نہ تھا۔ اس کا دل غصے اور رنج سے بھرا تھا۔ وہ غصے سے پوچھتا تھا۔ کہ مجھے یہ عذاب کیوں دیا گیا۔ خدا مجھ سے ایسا سلوک کیوں روا رکھتا ہے۔ اسے صلیب کا دُکھ برداشت کرنا پڑا۔ کیونکہ اس کے لئے اس سے مفر نہ تھا۔ لیکن اس نے یہ دُکھ غصہ اور رنج سے برداشت کیا۔

دوسرا ڈاکو جانتا تھا کہ جو سزا میں برداشت کر رہا ہوں میں اس کا مستحق ہوں۔ اس نے کہا "ہماری سزا تو واجبی ہے۔ کیونکہ ہم اپنے کاموں کا پھل بھگت رہے ہیں"۔ اے یسوع جب تو اپنی بادشاہت میں آئے تو مجھے یاد فرمانا۔ دوسرے ڈاکو میں بغاوت کرنے کی خواہش نہ تھی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ دکھ میری واجبی سزا ہے۔ اور وہ تسلیم و رضا

سے اپنی سزا برداشت کرنے کو تیار تھا۔ سزا کے باعث اس کے دل میں توبہ
کا خیال پیدا ہوا۔ دُکھ اور ایذا کے سبب اس نے محسوس کیا کہ خدا نے میرے
ساتھ وہی سلوک کیا جس کا میں مستوجب ہوں۔ اسی احساس نے اس پر
واضح کر دیا کہ خدا منصف ہے اور اس نے توبہ کی۔ توبہ کے بعد اس نے
یسوع پر بھروسہ کیا۔ اور اس کے دل میں ایمان پیدا ہوا۔ اُس نے اپنے
دُکھ کے نظریہ کے طفیل اپنے آپ کو بچا لیا۔

تیسرے شخص کا خیال اور ہی تھا۔ اُسے اپنا خیال نہ تھا۔ اس نے یہ
دُکھ اپنی مرضی سے اٹھایا۔ کسی نے اس کو مجبور نہیں کیا۔ اُس نے خود یہ
فیصلہ کیا کہ میں صلیب کا دُکھ اٹھاؤں گا۔ تاکہ میں دوسروں کو بچا سکوں
صلیب پر وہ یہ دعا مانگتا ہے: "اے خدا ان کو معاف کر۔ کیونکہ یہ جانتے
نہیں کہ کیا کرتے ہیں"۔ اس کا نتیجہ کیا ہوا۔ یہ کہ صوبیدار نے یہ ماجرا دیکھ
کر خدا کی بڑائی کی اور کہا بے شک یہ آدمی راستباز تھا۔ یسوع کے دُکھ
اٹھانے کا نتیجہ انسان کی نجات تھی۔

ہمارے سامنے یہ تین صلیبیں ہیں۔ اور دُکھ کے متعلق یہ تین نظریئے
ہیں۔ ان میں ایک بغاوت کی صلیب ہے۔ دوسری تسلیم و رضا کی صلیب
اور تیسری نجات کی صلیب ہے۔ یہ تیسری صلیب ہمارے لئے نمونہ ہے۔
اس سے ہم خدا کا طریقہ سمجھ سکتے ہیں۔ اور ہم دیکھ سکتے ہیں کہ دُکھ تکلیف
اور درد کے وقت ہمارا رویہ اور کام کیا ہونا چاہئے۔

یسوع نے کہا جو اپنی جان بچانا چاہے وہ اسے کھوئیگا۔ اور جو کوئی
میرے واسطے اپنی جان کھوئے۔ وہی اسے بچائیگا۔ یہ مسیحی مذہب کا
بنیادی اصول ہے۔ جس پر ہم کو فرداً فرداً عمل کرنا چاہئے۔ اور جس

پر کلیسیا کو عمل کرنا چاہئے۔ لیکن ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ نہ تو ہم شخصی
طور پر اس اصول پر کاربند ہیں۔ نہ کلیسیا ہی اس پر عامل ہے۔ مگر مسیح نے
مصلوب ہو کر ہمیں یہ سکھانا چاہا۔ کہ صلیب ہی خدا کا طریقہ ہے۔ اور
کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے جس سے خدا کی بادشاہت دنیا میں قائم ہو
سکتی ہے۔

یسوع نے اپنا کام شروع کرنے سے پہلے یہ فیصلہ کیا کہ طاقت کا
استعمال کس طرح کرنا چاہئے۔ اور کن طریقوں سے کام کیا جائے۔ آزمائشوں
کے بیان سے صاف ظاہر ہے کہ یسوع کے دل میں کس قسم کے خیال پیدا
ہوئے۔ پہلا خیال یہ تھا کہ وہ اپنی قوت کو اپنے لئے استعمال کرے۔ خود امیر
بن کر لوگوں کو فائدہ پہنچائے۔ لیکن اس پر فوراً یہ حقیقت عیاں ہو گئی۔ کہ یہ
خدا کا طریقہ نہیں اور نہ یہ اس کی مرضی ہے۔ پھر یہ خیال آیا کہ ایک بڑا معجزہ
دکھاؤں۔ لوگ اس معجزہ سے متاثر ہو کر میرے معتقد ہو جائینگے۔ اور میں
خدا کی بادشاہت قائم کر سکوں گا۔ لیکن اس خیال کی حماقت بھی ان پر فوراً
روشن ہو گئی۔ یہ طریقہ خدا کی مرضی اور طریقہ کے منافی تھا۔ اب یہ خیال پیدا
ہوتا ہے کہ تلوار سے سب قوموں پر غلبہ حاصل کیا جائے۔ جب سب لوگ رام ہو
جائیں گے۔ تو میں بخیر و خوبی خدا کی بادشاہت پھیلا سکوں گا۔ لیکن یہ بھی خدا
کا طریقہ نہیں ہے۔

خداوند یسوع کو یقین ہو گیا۔ کہ خدا کے طریقوں میں کسی قسم کا جبر نہیں۔
وہ لڑائی نہیں کرتا۔ نہ کسی سے جنگ آزما ہوتا ہے۔ اس نے جان لیا۔
کہ دنیاوی طریقوں سے خدا کی بادشاہت قائم نہیں ہو سکتی یسوع
نے پلاطوس سے کہا: "میری بادشاہت دنیا کی نہیں۔ اگر میری بادشاہت

دُنیا کی ہوتی۔ تو میرے خادم لڑتے۔ تاکہ میں یہودیوں کے حوالے نہ کیا جاتا "۔ اور صلیب پر چڑھکر یسوع نے ہمیں دکھلا دیا کہ خدا کا طریقہ کیا ہے۔ اور یہ بھی واضح کر دیا کہ جان کھونے سے جان بچتی ہے۔ یہ ممکن تھا کہ یسوع فوج جمع کر کے کاہنوں یا دولت روم سے نبرد آزما ہوتا۔ اور یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ کسی اور ملک میں چلا جاتا۔ لیکن اس نے دیدہ و دانستہ صلیب کا طریقہ اختیار کیا۔ اس نے چُن لیا کہ میں سب کچھ برداشت کروں گا۔ اور برائی کے بدلہ میں اپنی جان دینے تک خدمت کروں گا اور محبّت کروں گا۔ حتیٰ کہ صلیب پر بھی اُس نے اپنے ستانے والوں کی خدمت کرنے کی کوشش کی۔ اور ان کی معافی کے لئے دُعا کی۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ میں برائی کو برباد کروں گا اور انسانوں کی بُری مرضی کو نیک مرضی میں تبدیل کر دوں گا۔ اس میں کامیابی حاصل کرنے کا صرف ایک طریقہ تھا اور وہ صلیب تھی۔ یسوع نے ہر طرح کا ظلم اور برائی برداشت کی اور اس کے بدلہ میں بُرے آدمیوں کی خدمت کی اور ان سے محبت کی۔

ہم سے یسوع کہتا ہے کہ جو کوئی میرے پیچھے آنا چاہے۔ تو اپنی خودی سے انکار کرے۔ اور ہر روز اپنی صلیب اٹھائے۔ اور میرے پیچھے ہوئے۔ ہمیں ان لفظوں پر توجہ دینی چاہئے کہ "ہر روز اپنی صلیب اٹھائے" ان لفظوں سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ یسوع کو معلوم تھا کہ جو لوگ میرے پیرو ہیں۔ ان کو صلیب کا راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔ اور ان کو صلیب کا طریقہ استعمال کرنا چاہئے۔

آج چار دانگ عالم میں شور مچا ہے کہ کلیسیا کمزور ہے۔ اور یہ

ایک تلخ حقیقت ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ صرف یہی کہ ہمیں فرداً فرداً اور خود کلیسیا کو صلیب کا طریقہ اختیار کرنے سے گریز ہے۔ ہم اکثر فراموش کر دیتے ہیں کہ یسوع کی بادشاہت اس دنیا کی نہیں۔ اور ہم دنیوی طریقے استعمال کرتے ہیں۔ گو یسوع نے کہا کہ جان کھونے سے جان بچیگی۔ مگر ہم جنگ کرتے ہیں تاکہ ہماری جان بچ جائے اسی لئے کلیسیا اپنی جان کھو بیٹھتی ہے۔ اگر ہم یسوع مسیح کی تعلیم کو سمجھتے ہیں اور صلیب کے اصلی معنوں سے آشنا ہیں۔ تو ہم بلا شک و شبہ یہ تسلیم کریں گے۔ کہ مسیح کا کوئی پیرو جنگ میں حصہ نہیں لے سکتا۔ اور کلیسیا ہرگز نہیں کہہ سکتی۔ کہ مسیحی لوگوں کو جنگ میں شامل ہونا چاہئے۔ اگر ہم فی الحقیقت یسوع مسیح کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ اور اگر ہم ہر روز اپنی صلیب اٹھاتے ہیں۔ تو ہمارے سامنے ایک مقصد ہوگا اور جو کچھ ہم کریں گے اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے کریں گے وہ مقصد کیا ہے؟ یہ مقصد لوگوں کو بچانا ہے۔ ان کو چھٹکارا یعنی نجات دلانا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں ایسی تبدیلی پیدا کرنا ہے۔ کہ ان کی بُری مرضی اور بُری فطرت برباد ہو جائے۔ اور وہ توبہ کر کے خدا کی طرف رجوع ہوں۔ یعنی ہم ہمیشہ اس کوشش میں رہیں گے۔ کہ خدا کی بادشاہت لوگوں اور دنیا میں پھیل جائے۔ یسوع نے کہا کہ میرے شاگرد اس کام میں اپنی جانیں کھوئیں گے۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو اصلی معنوں میں اپنی جانیں بچاتے ہیں۔ لیکن اگر ہم کہتے ہیں اور جیسا کہ لوگ آج کل کہہ رہے ہیں کہ خدا کی بادشاہت کو قائم کرنے کے لئے لوگوں کو قتل کرو۔ ان کے بچوں کو بھوکے مارو۔ تو وہ توبہ کرینگے۔ اس طرح ہم واقعی اپنے خداوند کی تعلیم کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ یہ صلیب کا راستہ نہیں۔ اس

طرح ہماری اپنی جان اور کلیسیا کی جان برباد ہوتی ہے۔ یسوع نے کہا کہ ہر روز صلیب اٹھانی چاہئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صلیب کا ہماری روزانہ زندگی میں ایک عملی طریقہ ہے۔ خداوند یسوع کا یہ ہرگز خیال نہ تھا کہ یہ طریقہ ایک خاص وقت پر ہی کام آئے گا۔ مگر ان کا خیال تھا کہ شاگرد اپنی زندگی ہمیشہ اس اصول کے مطابق بسر کریں گے۔ ہماری روزانہ زندگی میں اس کا کیا اثر ہوگا؟

اکثر لوگ ہمارے متعلق بُری باتیں کہتے ہیں۔ وہ ہر وقت ہمیں نقصان پہنچانے کے لئے موقعوں کی تاک میں رہتے ہیں۔ اور یہ بھی محتاج بیان نہیں کہ اکثر چُغلی سے ہمیں نقصان پہنچ جاتا ہے۔ جس کی تلافی مشکل سے ہوتی ہے۔ مگر جب ایسی باتیں ہو رہی ہوں۔ تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہمارے لئے ایسے موقعہ پر کئی راہیں کھلی ہیں۔ لیکن اگر ہم نے صلیب کی راہ اختیار کی ہے۔ تو ہمیں ایک طریقہ استعمال کرنا چاہئے۔ اور وہ "صلیب کا طریقہ" ہے جس طرح یسوع نے صلیب کا دُکھ اٹھا کر اپنے ستانے والوں کی خدمت کی اور ان سے محبت رکھی۔ اسی طرح ہمیں بھی اپنے ستانے والوں سے محبت رکھنی چاہئے۔ چُغل خوروں پر غلبہ حاصل کرنے کا طریقہ صرف ایک ہے اور وہ صلیب کا طریقہ ہے۔

کبھی کبھی لوگ ہمارے ساتھ بے انصافی کرتے ہیں۔ اور اس بے انصافی کے باعث ہمیں مالی یا کوئی اور نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ لوگ کبھی دیدہ و دانستہ ہم سے عناد رکھتے ہیں۔ ایسی حالت میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ہم اُن کے ساتھ لڑ سکتے ہیں۔ ہم ان کے خلاف مقدمہ دائر کر سکتے ہیں۔ ہم جبر و اکراہ سے ان پر غالب آ سکتے ہیں۔ مگر اس سے ہمیں کیا فائدہ حاصل ہوگا؟

ممکن ہے کہ ہم اپنے حقوق کی حفاظت کر سکیں۔ اور اس بے انصافی کے مضر نتائج سے بچ سکیں۔ لیکن اس روش پر چل کر ہم یسوع مسیح کے نقطہ نظر سے اپنی جان کھو دیتے ہیں۔ اپنے آپ کو نقصان سے بچا کر ہم اپنے بھائی کو اپنے ہاتھ سے کھو بیٹھتے ہیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہم بے انصافی کرنے والوں کو بچائیں۔ تو صرف ایک طریقہ ہے۔ کہ ہم خود اس بے انصافی کے نتائج کو بھگتیں۔ اور اس کے باوجود اپنے دشمنوں سے محبت رکھیں۔ اور ان کی خدمت کرنے پر آمادہ ہوں۔

بعض اوقات لوگ ہماری عزت کے درپے آزار ہوتے ہیں۔ ہم اپنی بے عزتی کا بدلہ لے سکتے ہیں۔ مگر ہمارا بدلہ کیا ہوگا۔ کیا دشمنی اور نفرت ہوگا یا محبت اور خدمت؟ یسوع کے شاگردوں کا جواب محبت، اور خدمت ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ ہمیں ہمارے حقوق سے محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ ہم لڑ جھگڑ کر اپنے حقوق حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ شائد ہم اپنی جد و جہد میں کامیاب ہو جائیں۔ اور اپنے حقوق حاصل کر لیں۔ لیکن اس طرح ہم نے اپنی جان بچائی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ کھوئی گئی۔ بدرجہا بہتر ہے کہ ہمارے حقوق چھن جائیں۔ مگر ہماری جان بچے یعنی ہم اپنے بھائی کو بچائیں۔

بعینہ اگر ہم اپنی روزمرہ زندگی پر غور کریں۔ تو ہم معلوم کریں گے۔ کہ ہمیں صلیب اٹھانی پڑتی ہے۔ اگر ہم اس روح سے دُکھ برداشت کریں۔ تو ہماری زندگی میں ایک اثر پیدا ہوگا۔ ایک لذت پیدا ہوگی۔ کہ ہم دوسروں کی مدد اعلےٰ طور پر کر سکیں گے۔ ہم فی الحقیقت دنیا کا نور اور

زمین کا نمک بن جائیں گے۔ یسوع نے کہا کہ ہر شخص آگ سے نمکین کیا جائیگا۔ ہم دُکھ کی آگ میں اور صلیب کی آگ میں نمکین ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح نمکین ہو کر خدا کی بادشاہت کا نمک ہر ایک کے دل میں ڈال سکتے ہیں۔

اس زمانہ میں جب ہم یسوع کی موت پر غور کرتے ہیں۔ تو خدا ہمیں پیغام دیتا ہے کہ جان کھو کر ہم سب دُکھ اور مصیبت پر غالب آ سکتے ہیں۔ اور یسوع مسیح کی روح میں اسے برداشت کر کے اس دنیا سے بُرائی کو مٹا سکتے ہیں۔ اور خدا کی بادشاہت کو پھیلا سکتے ہیں۔

غور و بحث کے لئے سوالات

۱۔ صلیب کا طریقہ کیا ہے۔ کیا ہم اس طریقہ کو استعمال کر سکتے ہیں۔
۲۔ کیا یہ سچ ہے کہ خدا کی بادشاہت دنیوی طریقوں سے قائم نہیں ہو سکتی؟
۳۔ لوگ کیوں تو بہ کرتے ہیں؟ ہم کس طرح آدمیوں کی بُری مرضی نیک مرضی میں تبدیل کر سکتے ہیں؟

پانچواں باب

"ہل چلانے کو کھیت"

لوقا: ۹: ۵۷ - ۶۲
لوقا: ۱۲: ۳۵ - ۴۵
لوقا: ۱۴: ۲۵ - ۳۳
متی: ۲۱: ۲۸ - ۳۰
لوقا: ۱۴: ۱۵ - ۲۴

جو کوئی اپنا ہاتھ ہل پر رکھکر پیچھے دیکھتا ہے۔ وہ خدا کی بادشاہی کے لائق نہیں۔

جو لوگ یسوع کے شاگرد بننا چاہتے تھے۔ وہ اُن سے پورے جوش کا مطالبہ کرتا تھا۔ ایک بات جس پر یسوع بہت زور دیتا تھا۔ وہ استقلال یا پائیداری کی صفت تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ لوگ اُس کے شاگرد بنیں۔ تا وقتیکہ وہ عین آخر تک قائم رہنے کے لئے تیار نہ ہوں۔ خواہ راستہ کتنا ہی کٹھن اور دشوار گذار کیوں نہ ہو۔ خدا کی بادشاہی میں نیم دلی کے لئے کوئی جگہ نہیں۔ اور وہ جو یسوع کے شاگرد بن کر پیچھے مڑ کر دیکھتے ہیں۔ اُنہیں بادشاہی میں دخل نہیں۔

یسوع کبھی کسی سے ایسا کام انجام دینے کی توقع نہیں کرتا تھا۔ جو اس نے خود نہ کیا ہو۔ اس کے سامنے بہت سے کھیت تھے۔ جن میں

اسے ہل چلانا تھا۔ یہ کھیت آسان اور ہموار نہ تھے۔ اور ان میں پیچھے مڑکر دیکھے بغیر ہل چلانا آسان نہ تھا۔

یسُوع کو مذہبی تعصب کے کھیت میں ہل چلانا پڑا۔ اسے متواتر ان لوگوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ جو اسے بدنام کرنے کے موقعوں کی تاک میں رہتے تھے۔ جو کھلے دل سے اس کا پیغام سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ وہ ایک نیا مذہبی پیغام لے کر آیا تھا۔ مگر لوگوں کے پیشوا کھلے دل سے اس کا پیغام نہ سنتے تھے۔ بلکہ اس کی مخالفت کے موقعوں کی گھات میں رہتے تھے۔ اُنہوں نے اس کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اُسے رسوا کرنے کی تدبیریں سوچیں۔ اُنہوں نے اس کی بابت غلط فہمی پھیلانے کی سازشیں کیں۔ اس کے مذہبی اختیار کو حقیر ٹھہرایا۔ اُنہوں نے یہ سب کچھ نفرت اور تعصب کے باعث کیا۔ اکثر یسوع کے راستہ میں یہ آزمائش آئی ہوگی۔ کہ وہ لوگوں کے ساتھ مفاہمت کرے۔ اور اپنی تعلیم میں آمیزش کرکے اس مخالفت کا خاتمہ کردے اور مذہبی پیشواؤں کی آنکھ میں خار نہ ہو۔ لیکن ہل پر ہاتھ رکھ کر اس نے اپنے راستہ سے تل بھر بھی انحراف نہ کیا۔

یسوع کو لاپروائی اور غلط فہمی کے کھیتوں میں بھی ہل چلانا پڑا۔ حتیٰ کہ اس کے اپنے شاگردوں نے اُس کی موت تک اس کی تعلیم اور اس کے پیغام کو نہ سمجھا۔ وہ ایک دنیوی بادشاہ کے منتظر تھے۔ پس وہ یسوع کے روحانی طریقوں کو نہ سمجھ سکے۔ مگر یسوُع ان کی اُس بے سمجھی پر بھی کبھی چیں بہ جبیں نہ ہوا۔ وہ اُنہیں تعلیم دینے کے کھیت میں ہل چلانے کے لئے کمربستہ ہوا۔ اور ان کی قلتِ فہم اور ان باتوں سے لاپروائی کے باوجود

جو یسوع کو نہایت عزیز تھیں۔ اور روحانی بصیرت کے فقدان کے باوجود وہ آخر تک اس کھیت میں ہل چلاتا رہا۔

یسُوع کو رنج اور ایذا کے کھیت میں ہل چلانا پڑا۔ اُس نے دنیا کا گُناہ اپنے اوپر اُٹھا کر موت کی ایذا سہی لیکن پیچھے پھر کے نہ دیکھا۔ اکثر اُسے اس پیغام کو ترک کر دینے اور مسرت و راحت کی زندگی گزارنے کی آزمائش آئی ہوگی۔ اور اُس موت سے بچنے کی بھی جو اُسے معلوم تھی۔ کہ اُس کی اُس زندگی کا انجام ہوگی۔ جو وہ بسر کر رہا تھا اور کام جو وہ کر رہا تھا لیکن اُس نے اس آزمائش کا مقابلہ کیا۔ اور رنج و ایذا کے باوجود انجام تک ثابت قدم رہا۔

پس اس طرح یسوع نے عملی طور پر ہمیں دکھایا کہ ہم کس طرح ہل پر ہاتھ رکھکر پیچھے نہ دیکھیں ع ہرچہ بادا باد خواہ وہ کھیت جن میں ہمیں ہل چلانا ہے۔ کتنے ہی دشوار کیوں نہ ہوں۔ اس کی زندگی اور اس کی تعلیم سے ہمیں یہ پیغام ملتا ہے۔ کہ ہم اپنا ہاتھ ہل پر رکھیں۔ اور پیچھے نہ دیکھیں۔ ورنہ ہم خدا کی بادشاہی کے لائق نہ ٹھہریں گے۔ بہت سے کھیت ہیں جن میں ہل چلانے کے لئے ہمیں بلایا جاتا ہے۔

سب سے مقدم ہماری دعائیہ یا ذکر و فکر کی زندگی کا کھیت ہے یعنی دعا اور کتابِ مقدس کی تلاوت کا کھیت۔

یہ وہ کھیت ہے جس میں ہم نے ہل چلانا شروع کیا۔ مگر کیا ہم ہمیشہ سامنے دیکھتے رہے ہیں؟ کیا یہ سچ نہیں کہ اکثر ہماری دعائیں محض لفظوں کا ایک طومار بن جاتی ہیں۔ ہم بلا سوچے سمجھے دعا مانگتے

ہیں۔ اور اس شے کا خیال بھی نہیں رکھتے جس کے لئے ہم دعا مانگ رہے ہیں۔ اور یہ سب کچھ رسم بن کر رہ جاتا ہے۔ اگر یہ حالت ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ ہم نے ہل پر ہاتھ رکھا۔ اور پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ لہٰذا ہم بادشاہی کے لائق نہیں۔

جب ہم بائبل پڑھتے ہیں۔ اُس کے اصلی معنی معلوم نہیں کرتے۔ اور اس پر طرّہ یہ کہ جو کچھ ہم پڑھتے ہیں۔ اس کا اپنی زندگی میں اطلاق نہیں کرتے یعنی اس پر عمل نہیں کرتے۔ ہم یہ سوچنے کی زحمت نہیں اُٹھاتے۔ کہ جو کچھ ہم پڑھتے ہیں۔ اس پر کیونکر عمل کیا جا سکتا ہے۔ اور جو کچھ ہم پڑھتے ہیں۔ وہ کرنے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہم نے ہاتھ ہل پر رکھ کے پیچھے دیکھا۔

دوسرے ہمارے ذاتی رشتوں کا کھیت ہے۔ یہ شائد سب سے دشوار کھیت ہے جس میں ہمیں ہل چلانا ہے۔ ہماری زندگیوں میں یہ ایک ایسا مقام ہے جس میں ہمیں ازحد ثابت قدمی اور استقلال درکار ہے۔ نیز یہ ان کھیتوں میں سب سے اہم کھیت ہے۔ جس میں خدا نے ہمیں ہل چلانے کے لئے مقرر کیا ہے۔ غالبًا ہم میں بہت سے لوگ ہونگے۔ جن کو ندامت کے ساتھ قبول کرنا پڑے گا۔ کہ اس کھیت میں ہم سے اکثر پیچھے دیکھنے کی کوتاہی ہوئی ہے۔ ہم اکثر ان لوگوں سے بگڑ پڑتے ہیں جن کے ساتھ ہم کام کرتے ہیں۔ جو ہمارے گھر میں ہیں۔ اور جن کے ساتھ ہمارے مختلف کاروبار وابستہ ہیں۔ تاہم جب تک ہمارا اشتعال یا غصہ ایسا نہ ہو جو راستبازی پر مبنی ہوتا ہے۔ یعنی جب تک ہمارا غصہ بے انصافی۔ ظلم۔ اور بادشاہت کو ضرر پہنچانے والے امور کے خلاف نہ ہو۔ ہمارا اشتعال انگیز

ہونا پیچھے دیکھنا ہے۔

ہمیں کتنی دفعہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ ہم خود غرض ہیں۔ ہمیں اپنے گرد و نواح کے لوگوں کے مفاد سے پیشتر اپنے مفاد کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔ ہم اپنی ذاتی دلچسپیوں کو ان کاموں پر ترجیح دیتے ہیں۔ جو خدا نے ہمارے سپرد کئے ہیں۔ ہم اُن لوگوں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ جو ہم سے خوش حال نہیں۔ اور انہیں وہ موقعے نہیں ملے۔ جو ہمیں میسر ہوئے ہیں۔ تاہم اگر ہم اس قسم کی خود غرضی کو اپنا شیوہ بناتے ہیں۔ تو اس کا مطلب صاف یہ ہے کہ ہم اپنے ذاتی تعلقات کے کھیت میں ہل پر ہاتھ رکھکر پیچھے دیکھتے ہیں۔ اگر ہم اپنی خود غرضی کی بنا پر ضرورت مند لوگوں سے ٹھنڈے پانی کا پیالہ دریغ کرتے ہیں۔ اور اگر وہ وقت جو ہم اپنی ذات پر صرف کرتے ہیں۔ دوسروں کی خدمت کے لئے وقف نہیں کرتے۔ تو پیچھے دیکھنے کے گنہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور ہم خدا کی بادشاہی کے لائق نہیں۔

ہمیں کتنی دفعہ شرم کے ساتھ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ ہم نے اپنے ارد گرد کے لوگوں کے ساتھ تعلقات یعنی لین دین میں اس محبّت کا اظہار نہیں کیا۔ جو ہمیں کرنا چاہیئے تھا۔ ہم دوسرے لوگوں کے بارے میں مذموم کہانیاں دُہراتے رہتے ہیں۔

ہم ان کے بارے میں غیبت کرتے ہیں۔ گو ہمیں معلوم ہو یا نہ ہو کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں۔ وہ سچ ہے یا جھوٹ۔ ہم لوگوں کے پیٹھ پیچھے وہ وہ باتیں کہتے ہیں۔ جو ان کے روبرو کہنے کی جرات نہیں رکھتے۔ اور اس طرح ان لوگوں کی راہ میں کانٹے بوتے ہیں۔ اگر ہم ایسا کرتے ہیں۔ تو یقینًا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم محبت کی روح کا اظہار نہیں کر رہے۔ اور ہم

پیچھے دیکھ رہے ہیں۔

کتنی ہی دفعہ ہم میں اتنی جرأت نہیں ہوتی۔ کہ ہم ایسے مرد یا عورت سے کوری کوری بات کریں۔ جو ہماری دانست میں غلطی پر ہے۔ اور ہم میں اس دوستدارانہ ذہنیت کا فقدان ہے جس کے ذریعہ ہم دوسروں کے لئے سہولتیں پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر ہمارے اور کسی دوسرے شخص کے درمیان کچھ کشیدگی یا شکر رنجی ہو۔ تو ہم میں اتنی جرات نہیں کہ سید ھے اس شخص کے پاس جائیں۔ اور اس کدورت کو دھو ڈالنے اور غصّہ کو فرو کرنے کی کوشش کریں۔ پس ہمارے ذاتی تعلقات میں ناگواری اور بے مروتی پیدا ہو جاتی ہے۔ ہم نے ہل پر ہاتھ رکھکر پیچھے مڑکر دیکھا۔ ہم سب کو ایسی مثالیں یاد ہیں۔ کہ کس طرح ہمارے شخصی تعلقات میں فرق آجاتا ہے۔ حالانکہ لیسوع کی نظر میں ہماری زندگی کا یہ پہلو ازحد اہم ہے۔ اس کے پیرو ہو کر ہم نے یہ حلف اٹھایا ہے۔ کہ محبّت اور ہمدردی کو کام میں لائیں گے۔ اگر ہم اس سے قاصر ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ہل پر ہاتھ رکھکر پیچھے مڑ کے دیکھا۔ تیسرے ہمارے نصب العین اور مقاصد کا کھیت ہے لیسوع نے ہمارے سامنے نہایت اعلےٰ نصب العین رکھے ہیں۔ اور ہم نے ان اعلےٰ مقاصد کی پیروی کا عہد کیا ہے۔ یسوع نے ہمیں ان پر کاربند ہونے کی قوت عطا کی ہے۔ لیکن کیا اکثر ہمیں یہ پتہ نہیں لگتا کہ چونکہ زندگی ہمیں کٹھن دکھائی دیتی ہے اور چونکہ اس دنیا میں جہاں ہم بستے ہیں۔ ان مقاصد پر عمل پیرا ہونا ہے کے چنے چبانا ہے۔ پس ہم بعد از چندے مفاہمت Compromise پر اتر آتے ہیں۔ ہم یسوع کی تعلیم پر عمل پیرا ہونے کے متعلق حیلہ سازی اور عذر تراشی کو آلۂ کار بناتے ہیں۔ اس میں سہولت پیدا کرنے کے لئے اور

اس کے اطلاق کو محدود کرنے کے لئے اس میں نرمی پیدا کرتے ہیں۔ مسیحی کلیسیا اور مسیحی قوم کی کمزوری کا سب سے بڑا باعث یہی ہے۔ ہم نے اس کھیت میں چلانے کے لئے ہل پر ہاتھ رکھا۔ اور ہم میں سے بہت سے پیچھے دیکھنے کے گناہ کے مرتکب ہوئے۔

یسوُع نے خدا کی بادشاہی کی خدمت کے نصب العین ہمارے سامنے رکھے ہیں۔ اس نے ہمیں دکھا دیا ہے کہ ہم اُن توڑوں (خوبیوں) کو جو اُس نے ہمیں عطا کئے ہیں۔ کیونکر استعمال کریں۔ لیکن ہم کتنی دفعہ بادشاہی کی خدمت کرنا بھُول جاتے ہیں۔ اور اپنی خداداد خوبیوں کو اپنی ہی مسرت اور خواہشات کی سیری اور اپنے ہی مفاد اور اپنی ہی کامرانی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یا ہم اپنے توڑوں کو زمین میں دفن کر دیتے ہیں اور ان سے کوئی کام نہیں لیتے۔ یسوع نے ہمارے سامنے دوستی کا نصب العین رکھا ہے۔ اور اس نے ہمیں دکھا دیا کہ ہم دوستی کی اس خوبی کو کیونکر ان لوگوں کی مدد کرنے میں استعمال کریں جن کو ہماری امداد کی ضرورت ہے۔ لیکن کیا ہم نے اکثر اپنی اس خوبی کو ان لوگوں کے لئے استعمال نہیں کیا۔ جو ہمیں پسند اور عزیز ہیں۔ یا اُن لوگوں کے لئے جن سے ہمیں کچھ ملنے کی امید ہے۔ یا جن سے ہمیں فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ کیا ہم نے اکثر ان لوگوں کو اپنی دوستی سے محروم نہیں رکھا۔ جو ہماری دوستی کے محتاج ہیں۔ جنہیں ہماری محبّت اور ہماری توجہ درکار ہے۔ اس تغافل کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ لوگ ہمیں پسند نہیں۔ یا ہم کو گوارا نہیں کہ وہ لوگ ہمیں خواہ مخواہ تنگ کریں۔ ہم دوستی کی اس خوبی کو اپنے لئے اور اپنے لطف کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یسوع نے ہمارے سامنے سچائی اور دوسروں کی خاطر

دکھ اُٹھانے کا نصب العین رکھا ہے۔ اس نے خود قربان ہونے اور دکھ اٹھانے والی محبت کی اعلےٰ مثال پیش کی۔ مگر کیا ہم اکثر ان بلندیوں تک پہنچنے میں قاصر نہیں رہتے۔ جن کی طرف یسوع نے اشارہ کیا ہے۔ ہم میں ایذا برداشت کرنے کی جرأت نہیں۔ ہم ان باتوں سے جی چراتے ہیں۔ جن سے ہمیں دکھ برداشت کرنا پڑے گا۔ ہم کشادہ راستہ کو ترجیح دیتے ہیں۔ گو ہمیں پتہ ہے کہ خدا چاہتا ہے کہ ہم تکلیف اور رنج کی راہ اختیار کریں۔ ہم عوام سے ڈرتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی خوف ہے کہ دوسرے لوگ کیا کہتے اور کیا کرتے ہیں پس ہم اس نصب العین سے گر جاتے ہیں جو ہمیں مدنظر ہے۔ ہمارا اپنے نصب العین سے گرجانا اور اپنے نصب العین تک پہنچنے کی کوشش نہ کرنا یقیناً پیچھے دیکھنا ہے۔ لہذا ہم خدا کی بادشاہی کے لائق نہیں۔

چوتھے خدا کی جستجو کا کھیت ہے۔

یہ ایک ایسا کھیت ہے۔ جہاں ہل چلانا مشکل اور کام لمبا دکھائی دیتا ہے۔ ہم جوش جوانی کے ساتھ سچائی اور نور کی تلاش شروع کر دیتے ہیں۔ مگر کرنے کو اتنے کام ہوتے ہیں۔ ہمیں وقت کی قلت ہوتی ہے۔ بہت سی پراگندگیاں لاحق ہیں۔ حتیٰ کہ دھیرے دھیرے ہماری جستجو کی لگن ٹھنڈی پڑجاتی ہے یا شائد ہمیں پتہ لگ جاتا ہے کہ اس تلاش میں مشکل راستوں کو طے کرنا پڑیگا۔ اس کا مطلب دُکھ برداشت کرنا اور ستم اٹھانا ہوگا۔ ہمارے دل بیٹھ جاتے ہیں۔ اور ہم تلاش چھوڑ دیتے ہیں۔ یا شائد ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا کی تلاش میں ہمیں ان باتوں کو ترک کرنا پڑے گا۔ جن کو ہم سچ مانتے ہیں۔ اور اس راہ میں ہمیں اپنی زندگیوں میں انتہا درجہ کی تبدیلی کرنی

پڑیگی۔ اس کا اثر کئی طرح ہم پر پُرا ہوگا۔ شائد اس سے ہمارے خاندانی تعلقات پر اثر پڑے گا۔ اس سے ہماری دوستی متاثر ہوگی۔ شائد اس سے ہمارے دوست ہم سے نفرت کرنے لگیں گے۔ اور ہمیں ملحد بے دین کہیں گے۔ اور ہم پر یہ الزام دھریں گے کہ یہ وہ ہیں جو دوسروں کو گمراہ کرتے ہیں۔ پس ان باتوں کے خوف سے اور تلاش کو جاری رکھنے سے جو ابتری ہماری زندگیوں میں پیدا ہوگی۔ اس سے ڈر کر ہم تلاش ترک کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات ہمیں پتہ لگتا ہے کہ خدا کی تلاش میں ہمیں وہ حقیقت معلوم ہوگی۔ جو ہمیں مجبور کردیگی کہ ہم اپنے مفاد یا دلچسپیوں میں سے بعض کو خیرباد کہیں۔ شائد ہمیں وہ خاص کام چھوڑنا پڑے۔ جو ہمیں ازحد پسند ہے۔ شائد ہمیں سرتاپا نئی زندگی اختیار کرنی پڑے۔ اور چونکہ ہم کو پراگندگی اور انقلاب سے گریز اور پہلی ڈگر سے اُلنس ہے۔ چنانچہ ہم تلاش کو چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن خدا اور سچائی کی تلاش کو ترک کر دینا یقیناً ہل پر ہاتھ رکھکر پیچھے دیکھنا ہے اور ہم خدا کی بادشاہی کے سزاوار نہیں۔ خدا چاہتا کہ ہم اس کھیت میں ہل چلاتے رہیں۔ خواہ ہمارے پسندیدہ اعتقادات پر کچھ ہی اثر پڑے۔ خواہ ہماری زندگیاں کتنی ہی پُر ایذا کیوں نہ ہو جائیں۔ خواہ ہمارا کام کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو جائے۔ ہمیں پیچھے دیکھنے کی جرات نہ کرنی چاہئے۔ یہ ہیں بعض کھیت جن میں ہم سب کو ہل چلانا ہے خدا نے ہم کو یہ کھیت دیئے ہیں۔ اور اُس نے ہمیں ہل پر ہاتھ رکھنے کو کہا ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ پیچھے دیکھنے کی آزمائش کتنی زبردست ہے۔

تو اس کا چارہ کیا ہے؟

یسوع ہمیں وہ گُر بتاتا ہے۔ جس کے ذریعہ ہم پیچھے دیکھنے کی آزمائش پر غالب آسکتے ہیں۔ یہ گُر یوحنا کی انجیل کے پندرھویں باب میں درج ہے

اگر ہم مسیح میں قائم رہیں۔ تو ہمیں پائیداری حاصل ہو گی جس طرح ٹہنی انگور میں قائم رہتی ہے۔ اسی طرح قائم رہ کر ہم اپنے ابتدائی جوش کو برقرار رکھ سکیں گے۔ اور انجام تک ثابت قدم رہ سکینگے لیکن اگر ہل چلاتے میں یسوع ہمارا شریک حال ہو اور ہم اپنی آنکھیں اس مقصد پر جمائے رکھیں۔ جو اس نے ہمارے سامنے رکھا ہے تو ہم وثوق کے ساتھ آگے بڑھتے جائیں گے۔ اور کھیت کے دوسرے سرے تک سیدھی ہلائی نکالیں گے۔

بحث و تمحیص کے لئے سوالات

۱۔ کیا ممکن ہے کہ ہم ان اعلےٰ مقاصد کی پیروی کریں جو خداوند یسوع نے ہمارے سامنے رکھے ہیں۔ یا اپنی دنیوی زندگی کے فوائد کے لئے ہمیں اُنہیں نرم کرنا پڑیگا۔ کیا آپ متفق ہیں کہ آجکل مسیحی قوم اور مسیحی کلیسیا کی کمزوری کا سب سے بڑا سبب یہی ہے۔

۲۔ وہ کونسی مشکلات ہیں۔ جو خدا کی تلاش میں ہمیں سدراہ ہوتی ہیں۔ ان پر عبور حاصل کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔

۳۔ کیا ہم ان لوگوں سے محبت رکھ سکتے ہیں۔ جن کو ہم پسند نہیں کرتے۔

۴۔ ہم کونسے طریقے استعمال کریں کہ ہماری عبادت رسمی معاملہ نہ بننے پائے۔

چھٹا باب

شاگردی

یوحنا۔ ۱۵: ۱ - ۱۵	لوقا۔ ۵ - ۳ - ۳۲
لوقا۔ ۹: ۵۱ - ۵۶	〃 ۱۳ - ۲۰ - ۲۱
متی۔ ۲۵: ۱۴ - ۳۰	〃 ۴ - ۲۳ - ۲۷
یوحنا۔ ۱۳: ۱۲ - ۱۷	〃 ۹ - ۴۹ - ۵۰
لوقا۔ ۴: ۱۶ - ۱۹	〃 ۱۱ - ۲۹ - ۳۲

یسوع صاف بتا دیا کرتا تھا کہ اس کا شاگرد ہونا کیا معنی رکھتا ہے؟ اس نے کبھی لوگوں کو دھوکے میں نہیں رکھا۔ کہ اس کی پیروی یا متابعت کا انجام کیا ہوگا۔ وہ بڑی کاوش سے اُنہیں سمجھانے کی زحمت اٹھاتا تھا۔ کہ وہ کس کام کو ہاتھ ڈال رہے ہیں وہ اپنے شاگردوں اور پیرؤوں سے بڑے بڑے مطالبے کرتا تھا۔ اور آج بھی ان سے وہی تقاضے کرتا ہے۔ مگر اس کے ساتھ وہ ایک خوشی اور ایک طاقت عطا کرتا ہے جس کے ذریعہ اس کے مطالبات پورے کئے جا سکتے ہیں۔ اور حقیقت میں وہ ان کے دلوں میں زندگی کا ایک ایسا نظریہ پیدا کر دے گا۔ کہ وہ مطالبوں کو مطالبے سمجھیں گے ہی نہیں۔ بلکہ وہ اُنہیں اپنے لئے باعث صد افتخار سمجھیں گے۔

ان میں سے پہلا مطالبہ یا فخریہ ہے کہ شاگردی ایک تخلیقی شئے ہے۔ یسوع کے شاگرد خدا کی تخلیقی روح سے معمور ہیں۔ پس ان کی

زندگیوں کا تخلیقی ہونا ناگزیر ہے۔ یسوع نے کہا کہ میں تاک (انگور کی بیل) ہوں۔ اور میرے شاگرد اس کی شاخیں ہیں لیکن ہر وہ شاخ جو تاک سے عین ملی ہوئی ہے۔ وہ زندہ اور بار آور ہے۔ اس میں پھل کا لگنا ضرور ہے پس خدا نے ان شاخوں کے ساتھ بھی جو بار آور تھیں۔ ایسا سلوک کیا۔ تاکہ وہ اور زیادہ بار لائیں۔ تاکہ وہ اور زیادہ تخلیقی ہوں۔ یسوع نے اپنے شاگردوں کے تخلیقی اور بار آور ہونے پر بہت زور دیا۔ یہیں اسے خدا کا حقیقی جلال دکھائی دیا۔ یعنی وہ جو خدا سے محبت کرتے ہیں زیادہ پھل لاتے ہیں۔ ہمارا یہ تخلیقی کام ہی خدا کے ساتھ ہماری محبت کو ظاہر کرتا ہے۔ ایسے ہی کام کے ذریعہ ہم خدا کا جلال ظاہر کرتے اور اس کی تمجید کرتے ہیں جس طرح سال بسال تاک انگور کی فصل دیتا جاتا ہے عین اسی طرح ہم بھی اگر یسوع میں رہتے ہیں۔ سال بسال روز بروز اپنا پھل دیتے جائیں گے۔

تخلیق کا یہ کام جو شاگردی کا طرّہ امتیاز اور مسیح میں رہنے کا نشان ہونا چاہیئے۔ بہت قسموں کا ہوگا۔ اور اس کا اظہار بہت سی صورتوں میں ہوگا اول شاگردی ہماری تمام قابلیتوں کو نیا جوش اور نئی قوت دینے میں اپنی تخلیقی صفت کا اظہار کرتی ہے۔ ہمیں دماغ جسم اور روح کی قوتیں حاصل ہیں۔ اگر ہم انگور کے درخت میں حقیقی طور پر قائم ہیں۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ ہم میں ان قابلیتوں کو استعمال کرنے کی نئی قوت اور اہلیّت پیدا ہوگی۔ اور ہم میں تخلیق کا ایک نیا ملکہ پیدا ہوگا۔ جو ہمیں اپنے مادی اور سماجی ماحول پر غالب آنے میں مدد دے گا۔ خداوند یسوع نے توڑوں کی تمثیل میں یہ تعلیم دی۔ کہ ہم کس طرح اپنی خداداد قابلیتوں کو کام میں لائیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم کو جو خوبیاں خدا نے دی ہیں۔ ہم انہیں پھل پیدا کرنے یعنی تخلیق کے لئے

استعمال کریں۔ توڑوں کی تمثیل میں جن لوگوں کا ذکر ہے۔ انہوں نے اپنے اپنے روپے زیادہ روپیہ پیدا کرنے کے لئے استعمال کیا۔ پس جو خوبی خدا نے ہمیں دی ہے۔ ہم کو اسے اپنے خاندانوں۔ دوستوں اور رشتہ داروں کے ساتھ محبت کی نئی روح پیدا کرنے کے لئے کام میں لاسکتے ہیں۔ ہم اپنے جسم کو ان لوگوں کی مدد کرنے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں جنہیں مدد درکار ہے۔ اور اس طرح نئی دوستی۔ نئی خوشی اور زندگی کی مشکلات سے دوچار ہونے کے لئے نئی دلیری پیدا کریں۔ ہم اپنے جسم اور دماغ ان لوگوں میں نئی شخصیت پیدا کرنے کے لئے کام میں لا سکتے ہیں۔ جو عمر میں ہم سے کم ہیں۔ اور جو بڑھ رہے ہیں حتیٰ کہ ہمارے جسم اور ہماری جسمانی قابلیتیں بھی اس تخلیقی کام میں حصہ لے سکتی ہیں۔ کھیل کے ذریعہ ہم نوجوانوں سے دوستی اور رفاقت پیدا کر سکتے ہیں۔ اور انہیں زندگی میں نئے معنی پیدا کرنے کے لئے مدد دے سکتے ہیں۔ انہیں مضبوط چال چلن پیدا کرنے میں مدد دے سکتے ہیں۔ ہم اپنے احساسات کو ان لوگوں کے دلوں میں ہمدردی کا احساس پیدا کرنے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ جو ہمارے اردگرد رہتے ہیں۔ اور اپنے اردگرد ایسی فضا پیدا کر سکتے ہیں جس میں نفرت کا وجود نہ ہو۔ اس طرح ہم اس سرمایہ کے ساتھ تجارت کرتے ہیں۔ جو خدا نے ہمیں عطا کیا ہے۔ اور اپنے "دس یا پانچ توڑے" پیدا کرتے ہیں۔

ہمارے سامنے ایک مثال ہے جس میں یسوع نے ہمیں دکھا دیا ہے کہ شاگردی محبت کی فضا پیدا کرنے میں۔ ایسی فضا پیدا کرنے میں جس میں نفرت کا وجود نہ ہو۔ کیونکر تخلیقی ہو سکتی ہے۔ ہمارا اشارہ سامری گاؤں کی طرف ہے۔ یہاں کے لوگوں نے یسوع کو داخل ہونے سے منع کر دیا کیونکہ

وہ یروشلیم کو جا رہا تھا۔ شاگردوں کے دل میں اس کا یہ ردعمل ہوا کہ انہوں نے گاؤں والوں کو ان کی بے مروتی کی سزا دینی چاہی۔ اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا ہوتا۔ کہ نفرت جو وہاں پہلے ہی موجود تھی اور بڑھ جاتی۔ یسوع نے سکھایا کہ اس کے شاگردوں کو ایسی باتیں محبت کی روح میں برداشت کرنی چاہئیں۔ کیونکہ ان کا مدعا لوگوں کی جانیں برباد کرنا نہیں بلکہ جانیں بچانا ہے یسوع خداوند کے اس سلوک سے ان سامری لوگوں کے دل میں شرم کا احساس پیدا ہوا ہوگا۔ اور ایک بہتر رشتہ کا بیج بویا گیا۔ پس اس طرح یسوع کے شاگرد محبت کی تخلیقی صفت کو کام میں لا سکتے ہیں۔

یسوع نے یہ تعلیم دی۔ کہ اس کی شاگردی کا مطلب یہ بھی ہوگا کہ ہم عمل کے نئے معیار قائم کریں۔ اور زندگی کو ایک نئی قدر و قیمت کی نظر سے دیکھیں۔ آخری کھانے پر یسوع نے اپنے شاگردوں کے خیالات میں ایک تہلکہ برپا کر دیا۔ اس نے ان کے پاؤں دھو کر فروتنی اور خدمت کا ایک نیا معیار قائم کر دیا۔ حالانکہ وہ ان کا قائد اور خداوند تھا۔ اور اس نے انہیں بتا دیا کہ انہیں ایک دوسرے کے پاؤں دھونے چاہئیں۔ اس کا مطلب پاؤں دھونے کے لفظی معنوں سے کہیں بڑھ کر تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا۔ کہ اس کے شاگرد ہونے کی حیثیت سے انہیں طرزِ عمل کے نئے نئے معیار قائم کرنے اور دوسروں کو خدا اور اس کی مرضی کے نئے معنے بتاتے رہنا چاہئے۔ جب یسوع نے شاگردوں کے پاؤں دھوئے۔ تو اس نے عمل کا ایک بالکل نیا تصور ان کے سامنے رکھا۔ پس یسوع ہم سے یہ توقع رکھتا ہے کہ ہم لوگوں کے سامنے نیا معیار پیش کرتے رہیں۔ کہ انہیں کس طرح عمل کرنا اور کس طرح زندگی گذارنا چاہئے۔ اور ہمیں دوسروں سے

کیسا سلوک کرنا چاہئے۔ یہ عمل ہی سے دکھایا جا سکتا ہے۔ اور پھر اس سے نئی قدر و منزلت پیدا ہوگی۔ زندگی کے نئے حالات پیدا ہونگے۔ زندگی بسر کرنے کا نیا ڈھنگ رونما ہوگا۔ اور زندگی میں ایک نئی روح پیدا ہو جائے گی۔ اگر ہم راستباز ہیں۔ انگور کے حقیقی درخت کی شاخیں ہیں تو خدا کی تخلیقی روح ہم میں اسی طرح تخلیقی صفات کا اظہار کریگی۔

شاگردی کا دوسرا تقاضا یا فخر ازسرنو پیدا کرنا یا نجات دلانا ہے جیسا کہ یسوع نے کہا کہ وہ بیماروں کی خاطر (وہ جن کی روحیں بیمار تھیں) طبیب بن کے آیا۔ اور اس کا مقصد ان کی روحوں کو شفا دینا تھا۔ انہیں اس گناہ سے نجات دلانا تھا جس میں وہ گرے پڑے تھے۔ اور جس طرح اس کا یہ مدعا تھا۔ عین اسی طرح وہ چاہتا ہے کہ اس کے شاگردوں کا یہی مدعا ہو۔ ہمیں انسانوں کی زندگیاں بچانا ہے۔ انہیں برباد کرنا نہیں۔ شاگردی میں ازسرنو پیدا کرنے کا ملکہ ہونا چاہئے۔ شاگردی انسانوں کے جسموں کو دوبارہ پیدا کرتی ہے۔ اگر نئی تخلیق یا نجات کے کچھ معنی ہیں۔ تو وہ تمام زندگی پر حاوی ہونی چاہئے۔ اس کا اثر تمام شخصیت پر ہونا چاہئے۔

پس ہم دیکھتے ہیں کہ یسوع ان لوگوں کو اچھا کرنے میں بہت وقت صرف کرتا ہے جن کے جسم بیمار تھے اور بیماروں کی تیمارداری کا یہ کام مسیحی شہادت اور کام کے پروگرام کا سب سے بڑا جزو ہونا چاہئے۔

شاگردی کے لئے لازم ہے۔ کہ وہ لوگوں کے ذہنوں کو نئی تخلیق بخشے۔ یسوع نے کہا۔ ہمیں اپنی ساری عقل سے خدا کے ساتھ محبت کرنی چاہئے۔ ہم ایک شخصیت کو نجات نہیں دلا سکتے۔ تا وقتیکہ ہم اس کے ذہن کی پردا

نہ کریں ہمیں لوگوں کو سکھانا چاہئے۔ کہ وہ اپنے خیالات میں صادق ہوں۔ اُنہیں تعصب سے آزاد کرایا جائے۔ انہیں ذہنی بدظنی سے مخلصی دلائی جائے۔ انہیں سکھایا جائے۔ کہ وہ اپنے دلوں کو کھلا رکھیں۔ تاکہ سچائی ان میں گھر کر سکے۔ خواہ وہ سچائی پرانے تعصبات اور عقائد کے کتنی ہی مخالف کیوں نہ ہو۔ اُنہیں تمام باتوں کو پرکھنے اور ایسے فیصلے کرنے کی تربیت دی جائے جو راستی پر مبنی ہوں۔ ان میں اہلیت پیدا کی جائے کہ اس علم میں جو خدا نے اُنہیں بخشا ہے انہیں خدا کا مکاشفہ دکھائی دے پس یسوع کے شاگردوں کو لازم ہے کہ اگر وہ استاد ہیں۔ تو اُنہیں ان بچے بچیوں کے ساتھ تعمیری کام کرنا چاہئے۔ جن کے دل و دماغ ابھی بڑھ رہے ہیں۔ اور اگر وہ ایسے لوگوں کے ساتھ کام کرتے ہیں۔ جن کے ذہن پختہ ہو چکے ہیں۔ اور جنہیں اپنی ذہنی روشوں کو بدلنے کے لئے اس انقلاب کی ضرورت ہے۔ جو صرف یسوع ہی برپا کر سکتا ہے۔ تو اُنہیں لازم ہے کہ وہ نجات دلانے کے کام میں مشغول ہوں۔

اگر مسیح یسوع کے شاگردوں نے خدا سے بھٹکے ہوئے لوگوں کی نئی تخلیق اور نجات دلانے کے کام کو اپنی زندگی کا نصب العین بنا رکھا ہے۔ تو اُن کے اُس سلوک میں جو وہ نئی تخلیق کے محتاج لوگوں کے ساتھ کرینگے بہت فرق پڑ جائے گا۔ اور اگر ہمارا نصب العین نجات دلانا ہے۔ تو ہم استاد یا والدین کی حیثیت سے سزا کے موقعوں کو ازحد احتیاط کے ساتھ استعمال کریں گے۔ ہم یاد رکھیں گے کہ سزا کا اثر ہمیشہ منفی اور شاذ و نادر ہی مثبت ہوتا ہے۔ ہم لوگوں کو سزا دے کر غلط کاریوں سے روک سکتے ہیں۔ مگر سزا سے ہم ان کے دل میں نیکوکاری کی محبت پیدا نہیں کر سکتے۔ مگر ہمارا مقصد ان کے دل میں

نیکوکاری کی محبت پیدا کرنا ہے۔ یہ محبت کے طریقے ہی سے کیا جا سکتا ہے۔

اگر ہم بدکاروں کو نجات دلانا چاہیں۔ تو ہمارے دل میں کبھی یہ احساس پیدا نہ ہوگا۔ کہ ہم انہیں جنگ میں مار ڈالیں۔ جنگ میں جو کچھ ہے۔ وہ سب تخریبی ہے۔ اس میں کچھ بھی تعمیری یا تخلیقی نہیں۔ ہم ان سماجی اور اقتصادی حالات کو بدلنے کے درپے ہوں گے جو بدقسمت لوگوں کو خدا کے پاس آنے نہیں دیتے اور جو اس کی محبت کو سمجھنے کا موقعہ نہیں دیتے۔ ہم دوسرے لوگوں کے ساتھ اپنے تمام معاملات میں خدا کی محبت کا اظہار کریں گے جس طرح ہم اس محبت سے آگاہ ہیں۔ اور ہمارے تمام تعلقات میں محبت کے اصول کا سکہ رواں ہوگا کیونکہ اس دنیا میں محبت ہی ایک تخلیقی اور نجات دلانے والی قوت ہے۔

یسوع نے اپنی خدمت کی ابتدا میں ہمیں اپنا لائحۂ عمل بتا دیا۔ یہ ہمیں مقدس لوقا کی انجیل کے چوتھے باب کی اٹھارھویں اور انیسویں آیت میں ملتا ہے ہمیں ان آیات میں وہ نجات بخش کام دکھائی دیتا ہے۔ جو یسوع نے شروع کیا وہ غریبوں کو خوشخبری سنانے کچلے ہوؤں کو آزاد کرنے۔ قیدیوں کو رہائی دینے اور اندھوں کو بینائی بخشنے آیا۔ وہ ایسے ہی لوگوں کو بچانے آیا۔ اور وہ ہم سے بھی اپنے نقش قدم پہ چلنے کی توقع کرتا ہے۔ ہماری زندگی کا لائحہ عمل بھی ایسا ہی تخلیقی ہونا چاہئے۔ جیسا یسوع کا تھا۔

افراد کی یہ نئی تخلیق اور ان کی یہ نئی زندگی نئی سوسائٹی یا سماج قائم کرنے کی شاہراہ میں پہلی منزل اور موجودہ سماجی نظام کو بدلنے کے لئے پہلا قدم ہے یسوع نے تعلیم دی کہ خدا کی بادشاہی اس خمیر کی مانند ہے۔ جو تمام آٹے میں خمیر پیدا کر دیتا ہے۔ پس شاگردی یسوع کی تعلیم کی رو سے ایسی خمیر کی سی قوت ہونی چاہئے۔ جو سماج کو ازسرِ نو پیدا کر سکے۔ اور اسے نجات دلا سکے۔

شائد ہم شخصی طور پر یعنی اکیلے اکیلے ان برائیوں اور بے انصافیوں کو اپنی دنیا سے نہ مٹا سکیں لیکن ہم میں سے ہر ایک کچھ تو کر سکتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ اس کا نتیجہ دیکھا جا سکتا ہے۔ شائد اس کا انفرادی حیثیت سے گورنمنٹ۔ رسوم۔ اور قوانین پر زیادہ اثر نہ ہو۔ مگر ہم اپنے پڑوسی پر اثر ڈال سکتے ہیں۔ اور خداوند کی رُوح اس پر ڈال سکتے ہیں۔ تاکہ وہ بھی اپنی پوری طاقت سے کام کرنے لگے۔ اگر یہ سلسلہ یونہی جاری رہے تو یقینی طور پر خدا کی بادشاہت کو فتح ہوگی۔

شاگردی کا تیسرا تقاضا باہمی تعاون اور شراکت ہے یسوع نے کہا اس کے شاگرد اس کے دوست ہیں۔ پس مسیحیت ایک بڑی بھاری شراکت ہونی چاہئے یہ شراکت ایک ملک یا ایک نسل کے لوگوں پر ہی محدود نہیں۔ یقیناً یسوع کا منشا تھا کہ یہودی بادشاہت کے مشنری (مبلغ) ہوں۔ لیکن انہیں تمام دنیا کے لئے مبلغ ہونا تھا۔ مگر یسوع کی تعلیم کے ان امور میں سے یہ ایک بات تھی جسے قوم پرست یہودی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس کی بین الاقوامی تعلیم کو سن کر جو یسوع نے ناصرت میں دی۔ یہودی غصے سے بھڑک اُٹھے۔ ان کی آتشِ غیظ و غضب یہاں تک بھڑکی۔ کہ وہ یسوع کو مارنے کے درپے ہوئے۔ جو نشان اُس نے اپنے لوگوں کو بتایا۔ وہ یوناہ نبی کا نشان ہے۔ یوناہ نبی جمعیت الاقوام کا پہلا نبی کہلاتا ہے۔ اور بلاشبہ پرانے عہد نامہ کے نبیوں میں سے وہ پہلا نبی ہے جس نے محسوس کیا۔ کہ خدا کل بنی نوع انسان کا باپ ہے۔ وہ کسی ایک قوم سے مختص نہیں ہے۔ اس کے علاوہ وہ ایک ایسا باپ ہے۔ جو اپنے تمام بچوں پر مہربان ہے۔ یسوع نے اس تعلیم کو عملی جامہ پہنایا۔ اور دکھا دیا۔ کہ خدا کی بادشاہی ایک ایسی شراکت ہے جس میں کل بنی نوع انسان شامل ہیں۔

اب ہمیں اس اصول سے تو اتفاق ہے ہمیں اس میں کلام نہیں کہ خدا کی

بادشاہی ایک بڑے پیمانہ پر شراکت اور کواپریٹیو سوسائٹی (انجمن امداد باہمی) ہے لیکن ہم ہمیشہ اس کو اپنی عملی زندگی میں محسوس نہیں کرتے جب یسوع کے شاگردوں نے اس آدمی کو جو ان کی طرح یسوع کا شاگرد نہ تھا منع کرنا چاہا تو یسوع نے کہا "اُسے منع نہ کرنا۔ کیونکہ جو تمہارے خلاف نہیں وہ تمہاری طرف ہے۔" کیا ہم میں ایسی ہی رواداری پائی جاتی ہے۔ کیا ہمارے دل میں یہ خیال نہیں ہے کہ دوسرے لوگوں کو وہی ماننا چاہئے۔ جو ہم مانتے ہیں۔ انہیں اسی طرح عبادت کرنی چاہئے جس طرح ہم کرتے ہیں۔ دوسرے سب لوگوں کو اسی کلیسیا سے تعلق رکھنا چاہئے جس سے ہم رکھتے ہیں۔ اور کیا ہم ان لوگوں کو حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ جو غلطی کرتے ہیں۔ اکثر ہم اس اچھے کام کو خاطر میں نہیں لاتے۔ جو دوسرے کر رہے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے۔ کہ وہ ہمارے ساتھ کام نہیں کرتے۔ ہم صرف ظاہرا صورت کو دیکھتے ہیں اور باطن کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مگر خدا باطن کو دیکھتا ہے اور اس تنگ نظری اور تعصب کے باعث ہم میں شراکت کی وہ روح موجود نہیں جو یسوع کے شاگردوں میں ہونی چاہئے۔

اکثر ہم لوگوں کی اصل پر زیادہ توجہ دیتے ہیں۔ ہم اس بات پر زیادہ توجہ صرف کرتے ہیں۔ کہ اس شخص کا باپ کون تھا۔ ماں کون تھی۔ اور خاص اس مرد یا عورت کی شخصیت کا لحاظ نہیں کرتے۔ ہماری زندگی میں ذات پات کے رسوم اور عقائد داخل ہو جاتے ہیں۔ اور اس طرح دوسروں کے ساتھ ہماری دوستی تباہ ہو جاتی ہے۔ ہم میں سے بعض کو برتری کا خبط لاحق ہے بعض پر کمتری کے احساس کا غلبہ ہے۔ اور اس طرح ہماری دوستی یا شراکت تباہ ہو جاتی ہے۔ خدا کی بادشاہی میں کمتری اور برتری کو دخل نہیں۔ فرائض میں فرق یا امتیاز ہو سکتا ہے یعنی ہمارے کام ایک دوسرے سے مختلف ہو سکتے ہیں۔ مگر خدا کی نظر میں ہماری شخصیتوں

میں کوئی فرق نہیں۔ اگر ایسے امتیازات ہمارے ان تعلقات پر اثرانداز ہوتے ہیں جو دوسرے لوگوں کے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور ہمارے سلوک پر اثر ڈالتے ہیں۔ تو ہم وہ شراکت نہیں رکھتے جو یسوع کے شاگرد ہونے کی حیثیت سے ہمیں رکھنی چاہیئے۔ نیز بادشاہت کے شرکا میں وہ تعاون نہیں جو ہونا چاہیئے۔

شاگردی میں شراکت کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان لوگوں کے رفیق بننے کے لئے تیار ہوں جنہیں ہماری رفاقت درکار ہے۔ جو کچھ ہمیں خدا نے دیا ہے وہ ہم جماعت کی خاطر استعمال کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اس طرح ہی جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں۔ ہماری زندگیاں بارآور ہو سکتی ہیں۔ شراکت کی بنیاد محبت ہے۔ ہم دوسروں کو بھی اس میں شامل کرینگے۔ خواہ ہمیں اس پر وقت روپیہ۔ فرصت کا وقت۔ قوت یا اپنی کوئی اور شے ہی کیوں استعمال نہ کرنی پڑے۔ شاگردی محبان خدا کی پھل پیدا کرنے والی نجات دلانے والی شراکت ہونی چاہیئے۔ اگر ہماری روحوں کو خدا کے ساتھ رفاقت حاصل ہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہونا چاہیئے کہ ہم سے کسی تخلیقی تحریک کا چشمہ بہ نکلے۔ ہم افراد اور اقوام کو خدا کے پاس واپس لانے والے ہوں۔ اور اس کے ساتھ رفاقت قائم کرانا ہی ہمارا کام ہو۔ ہم میں پُر محبت شراکت اور تعاون ہو۔

سوالات

۱۔ یسوع کے شاگردوں کی تخلیقی روح کو سوسائٹی کے بدلنے میں کون کون سے طریقوں سے کارفرما ہونے کی امید رکھنی چاہیئے۔

۲۔ کیا یہ لازم ہے کہ تمام لوگوں کا ایک ہی کلیسیا سے تعلق ہو۔ کیا یہ ضروری ہے کہ وہ ایک ہی مذہب کے پیرو ہوں۔

۳۔ ہم محبت کی فضا کیونکر قائم کر سکتے ہیں۔ اور نفرت کو کس طرح دور کر سکتے ہیں؟

ساتواں باب

جرأت یا دلیری

متی ۶: ۲۵-۳۴	لوقا ۱۲: ۳۱-۳۲
" ۷: ۷-۱۲	یوحنا ۱۴: ۱-۲۷
" ۱۴: ۲۵-۳۳	" ۱۶: ۳۳
" ۸: ۲۳-۲۷	" ۱۷: ۶-۱۸
" ۱۰: ۲۹-۳۱	

یسوع کی تعلیم اور اس کی زندگی کی سب سے بڑی خصوصیت وہ پیغام ہے۔ جو وہ لوگوں کو دلیری یا جرات کے نام سے دیتا ہے۔ گو اپنی تعلیم میں اس نے لفظوں میں اس کے متعلق زیادہ کچھ نہیں کہا لیکن جو کچھ اس نے کیا۔ اس کا لب لباب یہی اپیل ہے کہ مرد اور عورتیں دلیر ہوں۔ وہ خدا پر بھروسہ رکھیں اور سمجھیں کہ انسانوں یا ابلیس سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ خدا سب کے سر پر ہے۔ وہ سب کا باپ ہے۔ وہ محبت سے اپنے ہر بچہ میں دلچسپی لیتا ہے۔ اور ان کی بہبود اور سلامتی اس کا منتہائے مقصد ہے۔ خدا کی موجودگی کے گہرے احساس نے یسوع کو قایل کیا کہ اگر مرد اور عورتیں ان کی اس موجودگی سے واقف ہوں۔ تو وہ اپنے تمام خوفوں پر غالب آسکیں گے۔ اس زمانہ میں خوف لوگوں کی زندگیوں پر اسی طرح غالب تھا جس طرح آجکل ہے۔ یسوع نے سمجھ لیا کہ میری خدمت کا سب سے بڑا حصہ ان لوگوں کو خوف سے نجات دلانا اور انہیں دلیر بنانا ہے۔

ایک قدیم روایت میں بیان کیا گیا ہے۔ کہ خدا نے ابلیس کے پاس ایک فرشتہ بھیجا اور تنبیہ کی کہ تمام آزمائشیں جن کے ذریعہ لوگوں کو بہکاتا ہے۔ تجھ سے چھین لی جائینگی۔ شیطان کو اس فیصلہ کے خلاف حجت کا یارا نہ تھا۔ مگر اس نے التجا کی کہ ایک آزمائش میرے پاس رہنے دی جائے۔ اس نے کہا "پست حوصلگی کی آزمائش میرے پاس رہنے دی جائے" پیغام لانے والے فرشتہ نے خیال کیا کہ یہ تو ایک معمولی سی درخواست ہے۔ چنانچہ اس نے بخوشی اجازت دے دی۔ ابلیس نے ایک قہقہہ مارا اور کہا۔ کہ تو نے اس ایک بخشش میں مجھے سب کچھ بخش دیا ہے۔

اس روایت میں ایک عظیم صداقت بیان کی گئی ہے۔ پست حوصلگی جس کا مطلب دلیری یا جرات کا زائل ہو جانا ہے۔ بدی کا سب سے موثر حربہ ہے۔ اس کے باعث ہمارا اپنے آپ پر اعتماد نہیں رہتا دوسروں پر اعتبار نہیں رہتا تھا۔ اور خدا پر ایمان نہیں رہتا۔ یہ ایک گھات میں بیٹھنے والی طاقت ہے۔ اور ممکن ہے۔ ہم پر اس وقت حملہ کرے۔ جبکہ ہم جوش اور دلیری کے لحاظ سے اوج کمال پر ہوں۔ اور جب یہ حملہ کرے۔ تو ہم تاب مقابلہ نہ لاسکیں۔ یہ ہم سے تمام زور۔ ساری قوت اور کل جوش کو چھین سکتی ہے۔ مگر ایسے موقعوں پر ہمیں یسوع کی آواز آتی ہے۔ اور وہ یسوع کا جانفزا پیغام ہے "لیکن خاطر جمع رکھو میں دنیا پر غالب آیا ہوں"

جب ہم یہ سنتے ہیں۔ تو ہمیں پتہ لگ جاتا ہے۔ کہ آخر میں سچ کی فتح ہوگی۔ گو عارضی طور پر ہماری کوتاہ نظری کے باعث اس میں روڑا اٹک جائے۔ اس سے ہمارا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ کہ خدا جو سب پر حکومت کرتا ہے۔ اس کے مدعا کا پورا ہونا ضروری ہے۔

سب سے پہلے یسوع ہمیں خدا پر ایمان رکھنے کی جرأت کی تعلیم دیتا ہے۔
یسوع نے تعلیم دی کہ ہم میں خدا پر بھروسہ رکھنے کی جرأت ہو کہ خدا
یں سے ہر ایک کی حفاظت کرتا ہے۔ خواہ ہمارے ساتھی ہمیں کتنا ہی حقیر
ل نہ جانیں۔ اور خواہ اپنی ہی نظر میں ہم کتنے ہی نالائق کیوں نہ ہوں۔
میرا خیال ہے کہ ہم میں سے بہت سے لوگ جب رات کو آسمان پر
رتے ہیں۔ تو خدا کی دنیا کا ایک نہایت ہی چھوٹا سا حصہ جگمگاتا دیکھکر
ن ہو جاتے ہیں۔ ہم کس طرح خیال کر سکتے کہ اتنی بڑی دنیا کا مالک
جیسے حقیر مخلوق کی پرواہ کرے گا۔ اور یہ بھی زیبا ہے کہ ہمیں اپنی بے
ئگی کا احساس ہو لیکن یسوع کا پیغام ہمارے کانوں میں گونجتا ہے "بلکہ
ہمارے سر کے بال بھی گنے ہوئے ہیں۔ ڈرو مت"
دلیری کا یہ راحت بخش پیغام شاید یسوع کی تعلیم میں سب سے بڑی
ت ہے۔ اگر ہم اس میں ایمان رکھیں۔ تو ہماری زندگیوں میں ایک انقلاب
دا ہو جائیگا! ہم محض خاک کے ذروں کی مانند نہ رہے۔ بلکہ ایسے افراد
ن گئے۔ جن میں خدا کو دلچسپی ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ہمارے
م میں دلچسپی لیتا ہو۔ اور ہماری ترقی کو دیکھ رہا ہو۔ اس سے بڑا فرق پڑتا ہے
ر اس کی دلچسپی ہماری کامیابی کے لئے سمندِ شوق ہوتی ہے۔ بعینہ اگر ہم
ں ایمان کی جرأت ہو۔ کہ خدا ہم میں دلچسپی لیتا ہے۔ اور ہمارے ہر کام میں
چپی لیتا ہے۔ خواہ وہ کام کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو۔ تو زندگی ہمارے لئے
ک نئی شے بن جاتی ہے۔ اور ہم میں نئی قوت اور نئی امید پیدا کر دیتی ہے
مانند کوئی بات اس سے بڑھکر زندگی کو حقیقی اور پُر راحت نہیں بنا سکتی۔
خدا ہم میں سے ہر ایک فرد کی پرواہ کرتا ہے۔ مگر ایسا ایمان رکھنا دلیری کا

کام ہے۔ مگرہاں یہ یسوع کا ایمان تھا۔ اور ہمارے لئے اس کا یہی پیغام
یسوع نے تعلیم دی کہ ہم میں یہ ایمان رکھنے کی جرأت ہو کہ جو کچھ خ
ہمارے لئے کرتا ہے یا ہونے دیتا ہے۔ وہ سب ہمارے لئے بہترین
ہم میں ایسی دلیری ہونی چاہئے۔ جو ہمیں تشویش اور گھبراہٹ سے محفوظ رکھ
ہم میں جرأت ہو کہ خدا ہماری ضروریات کو مہیا کریگا۔ خواہ حالات ہمارے
ناموافق ہی کیوں نہ ہوں۔ خدا میں ایمان رکھنے کے طفیل ہم کو وہ برکتیں
حاصل ہونگی جن پر ہمارے دل لٹو ہیں۔ یسوع نے سکھایا کہ ہم کو اپنی مادی
فارغ البالی کے لئے تشویش نہ کرنی چاہئے۔ اگر ہم میں خدا پر توکل کرنے کی
جرأت ہے۔ تو ہم بلا تشویش و تردد اپنے کام میں مصروف رہیں گے۔ ہر چند
باد و باد۔ حالات ناموافق۔ ابتلا اور تنگدستی ہمارا بال بیکا نہ کرینگی۔ وہ ہمارے
دل میں خوف پیدا نہ کریں گی۔ وہ ہمیں باپ سے جدا نہ کرسکیں گی۔ پس
ہم میں دکھ اور تکلیف برداشت کرنے کی جرأت ہو۔ اور جب ہمیں ان سے
واسطہ پڑے تو ہم جادہ مستقیم سے نہ بھٹکیں۔ اور ہمارا قدم نہ ڈگمگائے۔ خوا
برداشت کرنا کتنا ہی کٹھن کیوں نہ ہو۔ وہ جرأت جو یسوع ہمیں دے گا ہم
اس قابل بنا دیگی کہ تمام آزمائشوں میں فتح حاصل کرسکیں۔
کینیڈا میں ایک جانور پایا جاتا ہے۔ اس کا نام رکون (Raccoon) ہ
ہے شکاری اس جانور کو عجیب طریقے سے پکڑتے ہیں۔ وہ ایک ڈبہ لے
درخت سے باندھ دیتے ہیں۔ اس میں کیل گڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیلوں کا ر
منہ اندر کی جانب ہوتا ہے۔ اس ڈبے میں کوئی کھانے کی چیز بھر دیتے ہیں
رکون آتا ہے۔ اور وہ شے نکالنے کے لئے اپنا پنجہ ڈبے میں ڈال دیتا ہے
جب وہ اپنا پنجہ نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ تو کیل اس کے پنجے میں پیوستہ ہو

تے ہیں۔ وہ درد کو ازحد محسوس کرتا ہے۔ اور خائف ہو جاتا ہے۔ جوں ہی
اس کے پنجہ میں چبھتے ہیں۔ وہ پنجہ کو نکالنے کی کوشش ترک کر دیتا ہے
میں حرکت کی جرأت ہی نہیں رہتی۔ شکاری آتا ہے۔ اور اسے پکڑ لیتا
۔ یہ جانور تکلیف کے خوف کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے
بہت دفعہ ہم بھی اس جانور کی طرح ہوتے ہیں۔ ہم۔ دکھ۔ درد اور
کل میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ اور کچھ نہیں کرتے۔ کیونکہ ہمیں تکلیف کا خوف
تا ہے۔ یسوع ہمیں اسی خوف سے آزاد کرانے آتا ہے۔ اس کا خدا پر
ان رکھنے کی جرأت اور خدا کی ہمارے لئے نیک مرضی کا پیغام ہمیں اس
ل بنا دیتا ہے۔ کہ ہم اپنے دکھ اور درد کو دلیری کے ساتھ برداشت کریں۔
ہمیں یہ یقین ہو جاتا ہے۔ کہ اس کا مقابلہ کرکے اور اس کے باوجود زندگی
ر کرکے ہم خدا کے اس مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ جو وہ ہم میں رکھتا ہے
یسوع نے ہمیں تعلیم دی کہ ہم میں یہ ایمان رکھنے کی جرأت ہو کہ ہر شے
ے پیچھے خدا کا ہاتھ ہے۔ کہ آخر فتح حق کی ہوگی "اے چھوٹے گلے نہ ڈر کیونکہ
ارے باپ کو پسند آیا کہ تمہیں بادشاہی دے۔"
یہ تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ کہ اکثر حالات نہایت ہی تاریک دکھائی دیتے
۔ ہر جگہ بدی کی فوجوں کا بول بالا دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اپنی جرأت کھو بیٹھنے
کا کوئی وجہ نہیں۔ یسوع کا پکا یقین تھا کہ آخرکار دنیا میں خدا کی مرضی
ان ہوگی۔ یہ اس کی خوشی ہے کہ وہ بادشاہت کو قائم کرے ہمیں بھی
اہ ہمارے ارد گرد کیسے ہی حالات کیوں نہ ہوں۔ یہ ایمان رکھنے کی جرأت
نی چاہئے۔ کہ پایان کار بدی پر اسے فتح حاصل ہوگی۔ اور اس کی مرضی
ہوگی۔ خواہ وقت طویل ہو۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے جس لفظ سے ہم

اشیاء کو دیکھتے ہیں۔ خدا اُس سے نظر سے نہیں دیکھتا۔ ہم بہت کوتاہ نظر
ہیں۔ ہم حال یا مستقبل قریب سے ورے نہیں دیکھ سکتے۔ ہمیں دور کی
نظر رکھنا ابھی سیکھنا ہے۔ ہماری حد نظر وسیع ہونی چاہئے۔ اگر ہم میں یہ اہلیت
پیدا ہو جائے۔ تو ہم آسانی سے اس پست ہمتی یا بے حوصلگی پر غالب آ سکیں
جو ہم پر اس وقت قبضہ کر لیتی ہے۔ جب ہم اپنے ارد گرد دیکھتے ہیں۔ ا
ہم آسانی سے ایمان رکھ سکیں گے کہ آخر فتح نیکی کی ہوگی اور حق کا بول بالا
اگر ہم میں خدا پر توکل کرنے کی جرأت ہے۔ تو ہم میں انتظار کرنے کی جرات بھی
ہوگی۔ اکثر یہ جرأت پیدا کرنے کے لئے ہمیں بہت کوشش کرنی پڑتی ہے
بقول ؎ الانتظار اشد من الموت۔ انتظار کرنا مشکل اور صبر
کرنا کٹھن ہے۔ ہم شتابی کرتے ہیں۔ ہم فوری نتیجہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ ہم
تبدیلیاں بہت جلد کرنا چاہتے ہیں۔ ہم تعجیل کے ساتھ اپنے موجودہ حالات
سے نکل جانا چاہتے ہیں۔ مگر ہمیں انتظار کرنے اور پائیداری کے لئے جرأت
درکار ہے۔ یسوعؑ نے کہا "تمہارا دل نہ گھبرائے"۔ اگر ہم میں خدا کا انتظار
کرنے کی جرأت ہے۔ اور ہم استقلال کے ساتھ اس کام کو کرتے رہتے ہیں
جو خدا نے ہم کو دیا ہے۔ تو ہمیں یقین ہونا چاہئے۔ کہ سب کچھ بہتر ہوگا۔ جنگ
میں انسان کی جرأت یا دلیری کا سب سے کٹھن امتحان یہ ہے۔ کہ جب بمباری
ہو رہی ہو۔ وہ صبر کرے۔ یہ کام حملہ کرنے یا کوئی اور طرز عمل اختیار کرنے سے
کہیں مشکل ہے لیکن انتظار کرنے کی جرأت نہایت ضروری ہے۔ اور یہ دنیا
کی ان قسموں میں سے ہے۔ جو ہم میں اس وقت پیدا ہوتی ہے۔ جبکہ ہم خدا
پر ایمان رکھیں۔

دوسرے یسوعؑ ہم کو سکھاتا ہے کہ ہم میں دوسروں پر بھروسہ کرنیکی جرأت

یسوعؑ نے خود اس جرات کا ثبوت دیا۔ جبکہ اس نے اپنے شاگردوں کو
چُنا۔ اور اپنا کام ان کے سپرد کر دیا۔ تاکہ وہ اسے انجام دیں۔ وہ ہونہار دکھائی
نہ دیتے تھے۔ ان میں ہر قسم کے آدمی تھے۔ ان میں ایک محصول لینے والا تھا۔
ایک زیلوتیس تھا۔ کچھ ماہی گیر تھے۔ تقریبًا وہ سب ہی ناتعلیم یافتہ اور
ڈرپوک آدمی تھے۔ مگر یسوع کے ان پر بھروسہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ وہ ایسی
بلندیوں تک پہنچے جنہیں وہ خود خواب میں بھی نہ دیکھ سکتے تھے۔ یہ یسوع کی
جرأت ہی تھی جس نے انہیں وہ قوت اور زور عطا کیا۔ کہ انہوں نے وہ کام
کر دکھائے۔ جن کا یسوع کو بھروسہ تھا کہ وہ کر سکتے ہیں۔

لہٰذا وہ ہمیں پیغام دیتا ہے کہ ہم بھی دوسروں پر بھروسہ کرنے کی جرأت
کریں۔ دوسروں کی کمیوں اور غلطیوں کو دیکھنا بڑا آسان ہے۔ یہ خیال کرنا بھی
آسان ہے۔ کہ وہ اس کام کو انجام دینے کے اہل نہیں جو مطلوب ہے۔ اور اگر ان
میں اہلیت ہے۔ تو ان میں اس کام کو انجام دینے کا شوق نہیں۔ ہمارے لئے
لوگوں پر اعتماد کرنا نہایت مشکل اور ان پر اعتماد نہ کرنا نہایت آسان ہے۔

یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ اکثر ہماری بد اعتمادی حق بجانب ہوتی ہے۔
اور کہ ہمیں اکثر مایوس ہونا پڑا ہے۔ پس اس طرح ہمارے لئے مشکل ہو جاتا ہے
کہ ہم میں یہ جرأت ہو۔ لیکن اگر ہم چاہتے ہیں۔ کہ ہم اپنے شرکا کی بہترین صفات
سے استفادہ کریں۔ تو ہم میں ان پر بھروسہ کرنے اور ان پر اعتبار کرنے کی جرأت
ہونی چاہئے۔ اگر ہم ایسا کریں۔ تو بہت سی حالتوں میں ہمیں اس کا پھل حاصل
ہوگا۔ اور ہماری اس جرأت کا جواب دیانتداری سے کام کرنا ہوگا۔ ہم پھر یہ
تسلیم کرتے ہیں۔ کہ بعض اوقات ہمیں مایوس ہونا پڑیگا۔ یسوع کو یہوداہ اسکریوتی
سے مایوس ہونا پڑا۔ لیکن اس کی جرأت دوسرے گیارہ شاگردوں میں

میں فائز المرام ہوتی۔ خدا میں جرأت ہے۔ کہ وہ اپنی بادشاہی کا کام ایسے مرد اور عورتوں کے ہاتھ میں سونپ دیتا ہے۔ جو اس کی تدبیر کے اعتبار سے نہایت ہی ناتواں ظرف ہیں۔ اگر وہ ایسا کر سکتا ہے۔ تو جب وہ ہم سے دوسروں پر بھروسہ رکھنے کی جرأت کی توقع رکھتا ہے۔ تو اس کی یہ توقع یقیناً کوئی غیر موزون نہیں۔

تیسرے یسُوع ہمیں سکھاتا ہے۔ کہ ہم میں اپنے آپ پر بھروسہ یا اعتماد کرنے کی جرأت ہو۔

خداوند یسوع کی زندگی اور تعلیم کی ایک نمایاں خصوصیت وہ وثوق ہے جو اسے اپنے آپ اور اپنے پیغام میں تھا۔ اس کے دل میں ہرگز شک کی گنجائش نہ تھی۔ کہ خدا نے اسے مسیح کا کام انجام دینے کی دعوت دی ہے۔ اسی طرح ہمیں انبیا میں بھی یہی وثوق دکھائی دیتا ہے۔ گو یسوع کے وثوق اور انبیا کے وثوق میں فرق مراتب ہے۔ ان میں جرأت تھی کہ مانیں کہ وہ فرستادہ خدا ہیں۔ اور کہ وہ اپنے زمانے اور اپنے لوگوں کے لئے خدا کا خاص پیغام لائے ہیں۔ اور کہ خدا ان کے ذریعہ کام کر رہا ہے۔ ان میں اپنے آپ پر اعتماد رکھنے کی جرأت تھی۔

ہم دیکھتے ہیں۔ کہ یسوع بار بار شاگردوں میں خود اعتمادی کی جرأت پیدا کرتا ہے۔ اور اس ایمان کی جرأت پیدا کرتا ہے کہ خدا ان کی پشت پر ہے۔ اگر ہمیں اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ تو شائد ہمارے لئے مشکل ہو بلکہ مشکل ہوتا ہے کہ ہم اپنے آپ پر اعتماد رکھیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ ہم کس قدر کمزور اور ناتواں ہیں لیکن جب ہمیں یاد آتا ہے کہ خدا ہماری پشت پر ہے۔ کہ اس نے ہمیں ایسا کام سونپا ہے۔ جسے صرف ہم ہی انجام دے سکتے ہیں۔ تو ہم میں اپنے آپ پر بھروسہ رکھنے کی جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔

جب کولمبس اپنی مہم کے لئے امداد حاصل کرنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا تو کچھ مشکل کے بعد اسے شاہ سپین اور اس کی ملکہ کے دربار میں باریابی کا موقعہ مل گیا۔ وہ بڑی انکساری کے ساتھ ان کے حضور میں آیا۔ جو ایک مفلوک الحال غریب الوطن کے لئے زیبا تھی۔ لیکن تاہم اس میں وہ اعتماد تھا۔ جو ایسے آدمی میں ہوتا۔ جو اپنے آقاؤں کو اس سے کہیں زیادہ پیش کرتا ہے۔ جو وہ اسے واپس دے سکتے ہیں اپنے تجربہ کا بیان کرتے وقت اس نے بعد میں کہا "جب میں نے اپنے آپ کا خیال کیا تو مجھ پر عاجزی کا جذبہ طاری ہو گیا لیکن جب میں نے اس شے کا خیال کیا جو میں لایا تھا۔ تو مجھے یہ احساس ہوا۔ کہ میں ان دونوں تاجوں کے برابر ہوں۔ مجھے خیال پیدا ہو گیا۔ کہ میں وہ عاجز بندہ نہ رہا۔ بلکہ میں خدا کا چنا ہوا وہ ساز ہوں جس پر اس کی تدابیر کے نغمے تکمیل پذیر ہوتے ہیں۔" اپنے آپ کو خدا کا چُنا ہوا ماننے کی ہی جرأت تھی جس نے اسے تمسخر۔ مخالفت اور مایوسی کے باوجود آگے بڑھنے کا شوق دلایا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے مقصد کی تکمیل میں فائز المرام ہوا۔ خدا کے ہاتھ میں "ساز" ہونے کی اس جرأت ہی نے اُسے اس قابل بنایا۔ کہ جب سب لوگ مایوس ہو گئے۔ وہ پھر بھی آگے ہی بڑھتا گیا۔

یسوع ہمیں بتاتا ہے کہ ہمیں خوش ہونا چاہئے کیونکہ وہ دنیا پر غالب آیا۔ جو کچھ اس نے ہماری خاطر کیا۔ اس سے ہم میں جرأت ہونی چاہئے۔ اور اس وجہ سے بھی جرأت ہونی چاہئے۔ کہ وہ ہمیں مدد دے سکتا ہے۔ وہ ہمیں ایسا اطمینان اور وثوق دیتا ہے جس سے ہم میں زور پیدا ہوتا ہے۔ پس ہم اپنے دل میں گھبراہٹ پیدا نہ ہونے دیں۔ اور ہم اپنے آپ پر بھروسہ کریں۔ کیونکہ ہم اس میں ہیں اور وہ ہم میں ہے۔

ہم خائف ہیں۔ کیونکہ ہم اپنی کمزوریوں کو جانتے ہیں۔ اسی طرح خدا بھی انہیں جانتا ہے۔ لیکن ہماری کمزوریوں کے باوجود وہ ہم سے اپنا کام کراتا

چاہتا ہے۔ ہم ان اشیا کی طاقت سے واقف ہیں۔ جو ہماری مخالف ہیں۔ خدا بھی توان اشیا کی طاقت سے واقف ہے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ہمیں اپنی بادشاہت کے کام پر لگا دیتا ہے۔ جب ہمیں اس کی دعوت اور اس کی اعانت اور اس کی قدرت کا یقین ہو جاتا ہے۔ کیا اس وقت ہم میں اپنے آپ پر اعتماد کرنے کی جرأت نہ ہونی چاہئے۔ کیا ہم میں وہ اعتماد نہ ہونا چاہئے۔ جو زمانہ قدیم کے نبیوں میں ہوا کرتا تھا۔

اگر ہم میں خدمت کا یہ احساس پیدا ہو جائے۔ تو زندگی ایک نئی شے بن جاتی ہے۔ یہی بات تھی جو یسوع نے اپنے شاگردوں تک پہنچائی۔ اور یہی بات وہ آج ہم تک پہنچا سکتا ہے بلکہ پہنچاتا ہے۔ بشرطیکہ ہم میں اپنے آپ پر بھروسہ کرنے کی جرأت ہو۔ ایسی جرأت کہ وہ دیکھ لے کہ وہ ہم سے کیا کام لے سکتا ہے۔ اگر ہم یہ کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنے آپ پر اعتماد کرنے کی جرأت کرنی پڑیگی یسوع ہم کو وہ جرأت سکھاتا ہے۔

غور یا بحث کے لئے سوالات

۱۔ کیا آپ مانتے ہیں کہ آخرکار دنیا میں نیکی غالب آئیگی؟

۲۔ کیا دوسروں پر اعتبار کرنا ہر حالت میں جائز ہے یا خطرناک ہے؟

۳۔ کیا اپنے آپ پر اعتماد کرنے سے ہم میں غرور پیدا ہوتا ہے۔ اگر یہ خطرہ لاحق ہو۔ تو اس کا کیا علاج ہے؟

آٹھواں باب

"بازر کھنے والے جامے"

متی ۔ ۱۰ : ۳۷ - ۳۹

متی ۔ ۱۳ : ۴۴

لوقا ۹ : ۵۷ - ۶۲

لوقا ۱۰ : ۲۵ - ۲۸

مرقس ۱۰ : ۴۶ - ۵۲

جب یسوع یریحو کے شہر سے باہر جا رہا تھا۔ تو راستہ کے کنارے پر ایک اندھا آدمی بیٹھا ہوا تھا جب اس کو پتہ چلا کہ جانے والا یسوع ہے۔ تو اس کو فوراً احساس ہوا کہ اب وہ موقعہ آ پہنچا جس کا میں مدتوں سے منتظر ہوں۔ اب وہ شے مجھے مل سکتی ہے جس کا میں متمنی ہوں۔ یعنی بینائی۔ پس اس نے شور مچانا شروع کیا۔ اس نے دل میں ٹھان لی کہ کسی نہ کسی طرح میں لوگوں کی توجہ اپنی طرف کھینچ لونگا اسے ہجوم کی دھمکیاں ہراساں نہ کر سکیں۔ اس نے پہلے سے بھی زیادہ شور مچایا۔ حتیٰ کہ یسوع نے اس کی آواز سن لی اور اسے اپنے پاس بلایا۔ پھر ہم پڑھتے ہیں کہ برتمائی نے یسوع کے پاس پہنچنے کے اشتیاق میں اپنے کپڑے بھی اتار پھینکے۔ وہ ایک غریب آدمی تھا۔ اس میں اپنا کوٹ اتار پھینکنے کی بساط نہ تھی۔ دوسرا کوٹ حاصل کرنا اس کے لئے ہنسی کھیل نہ تھا۔ وہ اندھا تھا۔ اگر وہ اپنی کوشش میں محروم و مایوس ہوتا تو کوٹ کو ڈھونڈھنا اس کے لئے ممکن نہ تھا۔ لیکن یسوع

کے پاس پہنچنے کے لئے وہ اس قدر مشتاق تھا کہ اُس نے اِس کی مطلق پروا نہ کی۔ وہ کسی شئے کو سدِ راہ نہ ہونے دینا چاہتا تھا۔ وہ کوئی ایسی شئے اپنے پاس نہ رکھنا چاہتا تھا۔ جو اس کے راہ میں رکاوٹ پیدا کرے۔

ہمارا بھی برتمائی کا سا حال ہے۔ ہمارے پاس ایسے کپڑے ہیں۔ جو ہماری سچائی کی تلاش میں۔ خدا کی تلاش میں اور ہماری مسیحی زندگی بسر کرنے کی کوشش میں سدِ راہ ہوتے ہیں لیکن کیا ہم برتمائی کی طرح اُنہیں اُتار پھینکنے کے لئے تیار ہیں۔ کیا ہم اپنی سعی میں اتنے گرم جوش ہیں۔ کہ مسیح یسوع تک پہنچنے کے لئے ہر شئے ترک کرنے کے لئے تیار ہیں؟ یا اُس شئے کو چھوڑنے کے لئے تیار ہیں۔ جو سچائی یا خدا کی تلاش میں ہمارے لئے رُکاوٹ پیدا کرے۔ لیکن کیا یہ سچ نہیں کہ ہم اپنے کپڑوں سے چمٹے رہتے ہیں۔ ہم انہیں بھی نہیں چھوڑتے اور اپنی تلاش کو بھی جاری رکھنا چاہتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری راہیں مسدود ہو جاتی ہیں۔ اور ہم اپنی منزلِ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ اگر ہم کپڑوں میں اُلجھے رہیں تو ہم زندگی کی دوڑ نہیں دوڑ سکتے۔ جب تک ہم اپنے جسم پر سے سارے کپڑے نہ اتار دیں۔ اور صرف وہی کپڑے نہ رہنے دیں جو نہایت ضروری ہیں۔

یسوع نے تعلیم دی کہ اگر ہم سچائی کو پانا اور ان بیش بہا اشیاء کو دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ جو خدا نے اپنی بادشاہت میں رکھی ہیں۔ تو ہمیں اپنے کپڑے اتار پھینکنے کے لئے تیار ہونا پڑیگا۔ اگر ہمارا ہاتھ ہمیں ٹھوکر کھلائے۔ تو ہمیں اُسے کاٹ پھینکنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ اگر ہماری آنکھ ہمارے لئے ٹھوکر کا موجب ہو۔ تو اسے نکال پھینکنے کے لئے تیار ہونا چاہئے۔ ہمیں ان تمام موتیوں کو فروخت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ جو ہم نے اس غرض کے لئے جمع کئے ہیں۔ کہ ایک بڑا بیش بہا موتی خرید سکیں ہمیں اپنا سب کچھ فروخت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ تاکہ ہم وہ کھیت

خرید سکیں جس میں خزانہ چھپا ہے۔ القصہ ہمیں ہر وہ شئے ترک کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ جو ہمیں وہ شئے حاصل کرنے سے باز رکھے۔ جو خدا ہمارے لئے بہترین سمجھتا ہے۔ ہم میں اتنا جوش اور اشتیاق ہونا چاہئے۔ کہ ہم ہر وہ جامہ اتار پھینکنے کے لئے تیار ہوں۔ جو ہمارے راستہ میں رکاوٹ ہو۔

چند کپڑے ایسے ہیں جنہیں ہم اتار پھینکنے کی بجائے اپنے جسم سے چمٹائے رکھتے ہیں۔ سب سے اول کاہلی یا تساہل کا کپڑا ہے۔ اگر ہم سہل انگار یا کاہل ہوں۔ تو ہم بیش بہا موتی یا کھیت میں چھپا ہوا خزانہ نہیں پا سکتے۔ لیکن اگر مخلص ہوں۔ تو ہمیں کتنی دفعہ اقرار کرنا پڑیگا کہ ہم کاہل ہیں۔ جسمی طور پر سست ہیں۔ ہم خیال کرتے ہیں کہ ہم تھکے ہوئے ہیں۔ حالانکہ جسمانی طور پر ہم اتنے ماندہ نہیں ہوتے جتنے ارادی طور پر۔ ہم جسم کا بہانہ پیش کرتے ہیں اور کہا کرتے ہیں کہ ہم تلاشِ حق کو جاری نہیں رکھ سکتے۔ کیونکہ ہم میں جسمانی قوت نہیں۔ ہم بادشاہت کا کام نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہمارے جسم ناتواں اور تھکے ماندے ہیں۔ یہ مسلّمہ امر ہے۔ کہ معدودے چند اشخاص اپنے جسم سے پورا کام لیتے ہیں۔ جب وہ سمجھتے ہیں۔ کہ وہ تھک گئے ہیں۔ یہ تھکاوٹ جسمانی نہیں بلکہ ارادی ہوتی ہے۔ اگر کام کا ارادہ ہو۔ تو ہم اسے بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔ لیکن ہم اس کاہلی کے جامہ سے لپٹے رہتے ہیں۔ اور جسمانی ناتوانی کا عذر پیش کرتے ہیں۔

اس ضمن میں کنایتہً یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اپنے جسموں کو درست رکھنا ہمارا مسیحی فرض ہے۔ ہم اکثر تغافل کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم سست ہیں۔ ہم موزون ورزش کرنے میں سست ہیں۔ ہم اتنی سستی کرتے ہیں۔ کہ وہ عادتیں نہیں سیکھتے۔ جن سے ہمارا جسم توانا اور مضبوط رہے۔ ہم پھر سستی کے جامہ سے چمٹ رہے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم بیش بہا موتی کی تلاش جاری نہیں رکھ سکتے۔ مگر اپنے جسموں کے معاملہ میں ہی

اس سستی کے جامہ کو اپنے آپ سے چمٹائے نہیں رکھتے۔ بلکہ ذہنی طور پر بھی ہم کاہل ہیں۔ ہم یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ خدا کی مرضی معلوم کرنے کے لئے مطالعہ میں جان کھپائیں ہم یسوع کی مرضی معلوم کرنے کی سعی سے بیزار ہیں۔ ہم واقف ہیں کہ ان لوگوں کو جو خدا کی مرضی کو پا لیتے ہیں۔ سینکڑوں مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ لیکن ہم ذہنی طور پر اتنے کاہل ہیں۔ کہ ان مسائل سے دوچار ہونے کی کوشش نہیں کرتے کہ یسوع کی تعلیم کا ان پر کیونکر اطلاق ہو سکتا ہے۔ ہم بائبل کا درست مطالعہ کرنے میں سست ہیں۔ ہم وہ کتابیں پڑھنے میں سستی کرتے ہیں۔ جن سے ہمیں خدا کا خزانہ معلوم کرنے میں مدد ملیگی۔ ہم سستی کا جامہ اپنے جسم سے چمٹائے رکھتے ہیں۔ اور اس موتی سے محروم رہتے ہیں جس کی تلاش یسوع نے ہمارے لئے لازم قرار دی ہے۔

ہم نہ صرف جسمی اور ذہنی طور پر سست ہیں۔ بلکہ ہم میں روحانی سستی بھی پائی جاتی ہے۔ ہم کتنی دفعہ ذمہ داری سے کتراتے ہیں۔ کئی دفعہ ہم کام دوسروں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ گو ہم جانتے ہیں۔ کہ وہ کام ہم خود انجام دے سکتے تھے۔ نیز ہم کتنی دفعہ ذمہ داری اُٹھاتے ہیں۔ اور وہ فرائض انجام دینے سے قاصر رہتے ہیں۔ جن کے متعلق ہم آگاہ ہیں۔ کہ ہمیں انجام دینے چاہئیں۔ ہم روحانی طور پر سست ہیں ہم خدا کی بادشاہی کے بہت سے موقعے ہاتھ سے کھو بیٹھتے ہیں۔ کیونکہ ہم اس قدر سست ہیں کہ ان فرائض کو انجام دینے سے قاصر رہتے ہیں۔ جو خدا نے ہمیں دیئے ہیں۔ کیا ہم خدمت کے موقعے حاصل کرنے کے لئے کبھی اپنے دائرہ عمل سے باہر نکل جاتے ہیں؟ یقیناً اگر خدا کی بادشاہی کا درو ہمارے سینہ میں ہے۔ تو ہم خدمت کے موقعے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالیں گے۔ لیکن ہم بر تمائی کی طرح نہیں۔ کہ کوشش کرنے کی بجائے ہم سڑک کے کنارے بیٹھے رہتے ہیں۔ ہم سستی کا جامہ اپنے جسموں کے ارد گرد خوب ہوشیاری سے لپیٹ لیتے ہیں۔ یسوع پاس سے گذر جاتا ہے۔ اور ہم

محروم رہ جاتے ہیں۔

بنی نوع انسان عادت کے غلام ہیں۔ ہمارے لئے حالِ مست رہنا۔ اور کولھو کے بیل کی طرح ایک ہی دائرہ میں گھومتے رہنا بڑا آسان ہے۔ ہماری یہی چال رہتی ہے۔ اور ہمیں یہ پتہ نہیں چلتا۔ کہ ہم پر ایک جمود طاری ہے۔ ہم کو اس وقت تک کچھ حاصل نہ ہوگا۔ جب تک ہم میں تحریک پیدا نہ ہو۔ اور ہم اپنی ڈگر کو چھوڑ کر جوش میں نہ آئیں۔ سستی وہ جامہ ہے۔ جو ہمیں ان بلندیوں تک پہنچنے سے باز رکھیگا۔ جن کی دعوت خدا ہمیں دے رہا ہے۔ ہمیں اُسے اتار پھینکنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ خواہ اس کے نتائج کتنے ہی ناخوشگوار کیوں نہ ہوں۔

دوم خود مطمئنی (Selfsatisfaction) کا جامہ ہے۔

یہ ممکن ہے کہ ہم انسانی معیاروں کے مطابق ایک اچھی زندگی بسر کریں۔ مگر ان معیاروں پر پورے اترنے میں بالکل قاصر رہیں جو یسوع مسیح اور خدا نے قائم کئے ہیں۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ مقابلہ کر کے اپنا امتحان کرنا ہمارے لئے پُر از خطرات ہے۔ کیونکہ ایسا کرنے سے ہم خود مطمئنی یا اپنے آپ کے ساتھ مطمئن رہنے کے جامہ میں لپیٹ جائیں گے۔ جب وہ آدمی جس کا ذکر یسوع اپنی ایک تمثیل (لوقا ۱۸: ۹-۱۴) میں کرتا ہے۔ ہیکل میں دعا کرنے گئے تو فریسی اپنے آپ سے مطمئن تھا۔ اسے یقین تھا۔ کہ اس میں کوئی بُرائی نہیں۔ اس نے محصول لینے والے کے ساتھ اپنا مقابلہ کیا۔ اور خدا کو یہ بتا کر بہت خوش ہوا کہ میں کتنا نیک انسان ہوں لیکن یسوع ہمیں بتاتا ہے۔ کہ چونکہ وہ خود مطمئنی کے جامہ میں اس قدر الجھا ہوا تھا۔ اس لئے اسے کچھ بھی ہاتھ نہ آیا۔ اُسے خدا نے کوئی برکت نہ دی۔ اُسے خدا کی مرضی کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ ہُوا۔ اس نے حق کی تلاش میں ایک بھی قدم نہ بڑھایا۔ بے شک وہ سمجھتا تھا کہ اسے سب کچھ معلوم ہے۔ تلاش کی ضرورت

نہیں۔ اس کے برعکس دوسرا آدمی محصول لینے والا تھا جس نے اپنا خود مطمئنی کا جامہ اتار پھینکا۔ اور اس کا ایک بھی تار اپنے جسم پر نہ رہنے دیا۔ وہ خدا کی برکتوں سے مالامال ہو کر گھر لوٹا۔ اور پہلے کی نسبت خدا کے زیادہ قریب پہنچ گیا۔ اس نے اپنا جامہ اتار پھینکنے کی جوکھوں اٹھائی۔ مگر وہ خزانہ پایا جو کھیت میں چھپا ہوا تھا۔

لیکن اگر ہم ٹھنڈے دل سے اپنا امتحان کریں کیا ہمیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہم بھی اسی غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں جو فریسی سے سرزد ہوئی۔ ہم اپنا یسوع کے ساتھ مقابلہ کرنے کی بجائے دوسرے لوگوں سے مقابلہ کرتے ہیں۔ پس ہم اپنی غلطیوں سے ناواقف رہتے ہیں۔ خود مطمئنی کے جامہ کو اتار پھینکنا ہمارے لئے اسی وقت ممکن ہے جبکہ ہم مقابلہ اس شے سے کریں۔ جو ہمارے علم میں اعلےٰ وارفع ہے لیکن جب تک ہم ایسا نہ کریں گے۔ ہم اس تلاش میں کوئی ترقی نہیں کر سکتے جس میں یسوع ہمیں چاہتا ہے کہ لگے رہیں۔

نوجوان دولتمند (لوقا ۱۸: ۱۸-۲۳) جو یسوع کے پاس آیا۔ اپنی ذات سے مطمئن تھا۔ لیکن یسوع کے پاس آکر اسے امتحان یا عدالت کے ایک بالکل نئے معیار سے دوچار ہونا پڑا۔ یسوع نے اسے بتایا کہ اگر وہ ہمیشہ کی زندگی کی تلاش میں فائز المرام ہونا چاہتا ہے۔ تو اسے کیا کچھ ترک کرنا پڑیگا۔ لیکن نوجوان دولتمند وہ جامہ اتار پھینکنے کے لئے تیار نہ تھا۔ جو اس کی تلاش میں رکاوٹ پیدا کرتا تھا۔

پس وہ غمگین ہو کر چلا گیا۔ کیونکہ اسے صاف دکھائی دے گیا۔ کہ اگر وہ اس جامہ کو نہ اتارے گا۔ وہ سچائی اور زندگی کی بہترین اشیا نہ پا سکیگا۔ اگر ہم اس بیش بہا موتی کی تلاش میں سرخرو ہونا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں اس خود مطمئنی کے جامہ کو اتار پھینکنا پڑیگا۔ ہمیں خلوص اور احتیاط کے ساتھ اپنا امتحان لینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ہمیں یہ امتحان اس علم کی روشنی میں کرنا چاہئے۔ جو یسوع مسیح

نے ہمیں دیا ہے۔ اور اس معیار کے مطابق کرنا چاہئے۔ جو یسوع نے قائم کیا ہے۔

سوم وہ جامہ جو ہمیں اُتار پھینکنا ہے وہ غلط قدر و منزلت کا جامہ ہے۔

اگر وہ سوداگر جو موتیوں کی تلاش میں لگا ہوا تھا۔ اپنے سامنے اچھا معیار نہ رکھے ہوتا۔ تو انہی موتیوں کو ترجیح دیتا۔ جو اس کے پاس تھے۔ اور بالخصوص اس لئے کہ اس کے پاس بہت سے تھے۔ لہذا ان کو اس ایک پر ترجیح تھی۔ اور اگر وہ شخص جس نے کھیت میں چھپا خزانہ پایا۔ اعلےٰ معیار کا پابند نہ ہوتا۔ وہ اس ایک کھیت کی خاطر اپنے کھیتوں کو نہ بیچ ڈالتا۔ وہ یہ خیال کر سکتا تھا۔ کہ جو کچھ اس کے پاس ہے۔ وہ اچھا خاصہ ہے۔ یسوع نے ہمیں تعلیم دی کہ قدر و منزلت کا غلط معیار ہمیں اس کے پیرو ہونے کی حیثیت سے بالکل نکما بنا دیگا۔ "باپ کی تجہیز و تکفین" بادشاہی کے کام میں رکاوٹ پیدا نہ کرے۔ گھر والوں کو خدا حافظ کہنے یا الوداع کہنے میں ہم یسوع کی پیروی سے محروم نہ رہیں۔

یہ باتیں بذات خود بُری نہیں۔ وہ بالکل جائز ہیں۔ لیکن ان سے بھی بہتر اشیاء ہیں۔ ہمیں لازم ہے کہ بہتر اشیاء کی پیروی کریں۔ بعض اوقات "اچھی" کو "نہایت ہی اچھی" کا دشمن سمجھا جاتا ہے۔ بہت سی باتیں بذات خود بُری نہیں ہوتیں۔ مگر ان میں نقصان یہ ہے کہ ہم اکثر ان کو وہ درجہ دیتے ہیں۔ جو نہایت اعلےٰ اشیاء کو دینا چاہئے۔ وہ مہمان جو دعوت کے لئے مدعو کئے گئے (لوقا ۱۴: ۱۵-۲۴) انہوں نے نہ آنے کے عذر پیش کئے۔ انہوں نے کہا۔ "ہمیں زمین دیکھنے جانا ہے"۔ "بیلوں کی جوڑی کو آزما کر دیکھنا ہے"۔ "شادی ہے" وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتیں بُری نہیں لیکن وہ اتنی اہمیت نہ رکھتی تھیں جتنی کہ دعوت۔ انہوں نے قدر و منزلت کے غلط معیار کے جامہ کو پھینکنا نہ چاہا۔

زندگی میں اکثر قدر و منزلت کے اس اضافی معیار سے واسطہ پڑتا ہے۔

ہمیں "اچھی" اور "نہایت اچھی" باتوں میں سے چننا پڑتا ہے۔ اور چونکہ ہمارا قدر و منزلت کا معیار غلط ہوتا ہے۔ ہم اکثر نہایت اچھی چیزوں کی بجائے اچھی چیزیں منتخب کر لیتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو یسوع کی پیروی کر رہے ہیں۔ ان کے لئے صرف نہایت اچھی اشیاء ہی کفایت کر سکتی ہیں۔ اگر ہم سچ کی تلاش اور خدا کی مرضی معلوم کرنے میں فائز المرام ہونا چاہتے ہیں۔ تو ہمیں قدر و منزلت کا یہ غلط معیار چھوڑ کر وہ معیار اختیار کرنا پڑیگا۔ جو یسوع نے قائم کیا۔ خدا کی بادشاہت کی باتوں کو سب سے مقدم رکھنا چاہئے۔ اور دوسری تمام باتیں خواہ ان میں کوئی بھی برائی نہ ہو۔ انہیں دوسرے درجہ پر رکھا جائے۔

چہارم تن آسانی یا آرام طلبی کا جامہ ہے۔ یہ ایسا جامہ ہے جس کا اُتار پھینکنا ہمیں بالکل پسند نہیں۔ قدرتی طور پر ہم ان باتوں کو پسند کرتے ہیں۔ جو ہمارے لئے موجب راحت ہیں۔ لیکن اگر یہ چیزیں ہمارے یسوع کے پیچھے چلنے میں رکاوٹ پیدا کریں۔ تو ہمیں ان کو اتار پھینکنا چاہئے۔ یسوع نے کہا کہ لومڑیوں کے بھٹ اور ہوا کے پرندوں کے گھونسلے ہوتے ہیں۔ مگر میرے پاس ایسی جگہ بھی نہیں جسے میں گھر کہہ سکوں۔ اور اس کے اس قول میں رمز یہ ہے۔ کہ جو اس کی پیروی کرتے ہیں۔ انہیں بھی بے آرامی سے واسطہ پڑیگا ہمیں بتایا نہیں گیا۔ مگر دکھائی ضرور دیتا ہے۔ کہ جس شخص کو یسوع نے یہ کہا۔ اس کا حوصلہ ٹوٹ گیا۔ اور اس کا تمام جوش ٹھنڈا پڑ گیا۔ کیونکہ اس کو پتہ لگ گیا۔ کہ اسے تمام آرام طلبی اور راحت کو ترک کرنا پڑیگا۔

اگر ہم خلوص اور اشتیاق کے ساتھ یسوع کی پیروی کرتے ہیں۔ تو پتہ نہیں کہ ہمیں کیا قربانی دینی پڑے مختلف لوگوں کو مختلف قربانیاں دینی پڑینگی لیکن ہمیں یہ یقین ہو جانا چاہئے۔ کہ یسوع ہمیں بہت سے جامے اتار پھینکنے کا حکم دیگا۔

جو ہم سینہ سے چمٹائے رکھتے ہیں۔ وہ جانتا ہے۔ کہ جب تک ہم اپنے ان بوجھوں سے مخلصی حاصل نہ کریں گے۔ ہم اس منزل مقصود تک پہنچنے میں ناکام رہیں گے۔ جو خدا نے ہمارے سامنے مقرر کی ہے۔ جب تک ہم میں ان رکاوٹوں کو اُٹھا پھینکنے کا پورا اشتیاق نہ ہوگا۔ ہم وہ خزانہ حاصل نہ کر سکیں گے۔ جو خدا نے ہمارے لئے چھپا رکھا ہے۔ اور وہ موتی ہمارے ہاتھ نہ آئیگا۔ جو خدا نے ہمارے لئے تیار کر رکھا ہے۔ صرف اسی وقت جبکہ ہم اپنی زندگیاں کھونے کے لئے تیار ہونگے تب ہی اُنہیں پائیں گے۔ وہ ہم کو صُلاح دیتا ہے۔ کہ ہم اس کی خدمت میں جوش و اشتیاق کی ایسی زندگیاں گذارنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ جو ان تمام رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے تیار ہونگی جن سے ہم خدا کی بادشاہت کی خدمت تن من دھن سے انجام دینے میں قاصر رہ سکتے ہیں۔ اور ہمیں ان باتوں سے باز رکھ سکتی ہیں۔ جو سچ ہیں۔ اور خدا کی بادشاہی سے متعلق ہیں یا خدا کی بادشاہت اس زمین پر قائم ہونے میں مانع ہو سکتی ہیں۔

غور و بحث کیلئے سوالات

۱۔ "خدا کو اپنی عقل سے پیار کرنے" کے کیا معنی ہیں؟

۲۔ ہم اپنی شخصیت کا صحیح اندازہ کیونکر لگا سکتے ہیں؟ کیا ہم اپنے آپ کو اس طرح دیکھ سکتے ہیں جس طرح خدا ہم کو دیکھتا ہے۔

۳۔ کیا یہ ہمیشہ سچ ہوتا ہے کہ "اچھا" "نہایت ہی اچھے" کا دشمن ہے؟